آسان علوم القرآن

پسند فرمودہ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی

دامت برکاتہم

نظرِ ثانی

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی

صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد

مرتب

محمد غیاث الدین حسامی

ناشر: مدرسہ اسلامیہ منہاج العلوم

ورم گڈہ، حیدرآباد

محبوب العلماء عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

سرپرست: مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

بڑی مسرت کی بات ہے کہ عزیزم مولوی محمد غیاث الدین حسامی نے اس سلسلہ میں عزیز طلبہ علوم قرآن کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب تیار کی ہے، جو طلبہ علوم قرآن کے لئے ابتدائی طور پر ''اہم معلوماتِ قرآن'' کی حیثیت رکھتی ہے، بندہ نے اس کا مطالعہ کیا ہے، طلبہ کرام و دیگر کے لئے بہت مفید پایا، اللہ تعالی موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اور رسالہ کو نافع بنائے۔ آمین

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی

صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مولانا محمد غیاث الدین صاحب حسامی زید علمہ وفضلہ۔۔۔ جو دلِ دردمند اور فکر ارجمند رکھتے ہیں، کامیاب ومقبول مدرس ہیں تدریس کا طویل تجربہ ہے، بچے اور بچیوں کی نفسیات اور ان کی علمی ضرورتوں سے واقفیت ہے، اسی کے ساتھ دیندار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، اور ان چند صالح نوجوانوں میں سے ہیں جن سے مجھے قوم وملت کے لئے کچھ کر گذرنے کے توقعات وابستہ ہیں، کئی کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں مثلاً: آسان اصول میراث، نیکیوں کا سمندر، وغیرہ۔۔۔ نے آسان علوم القرآن کے نام سے ایک مختصر سی کتاب ترتیب دی ہے، جس میں نو اصولی ابواب؛ ہر باب کے تحت متعدد عناوین ہیں، ہر بات باحوالہ اور مستند کتابوں سے مراجعت کر کے لکھی گئی ہے؛ جس کی وجہ سے اس کتاب کی افادیت و نافعیت دو چند ہو گئی ہے، اسے میں نے پڑھا ہے اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، موصوف نے رسالہ کو مفید تر بنانے کے لئے دستیاب عربی و اردو کتب کی طرف مراجعت کی ہے، امید ہے کہ دستِ شوق اس کتاب کی جانب بڑھے گا اور طلبہ وطالبات اور عامۃ الناس اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔
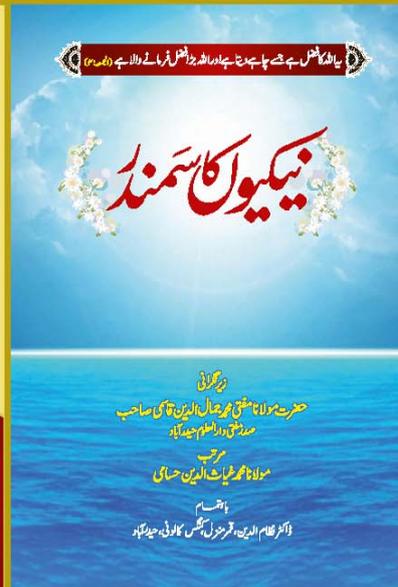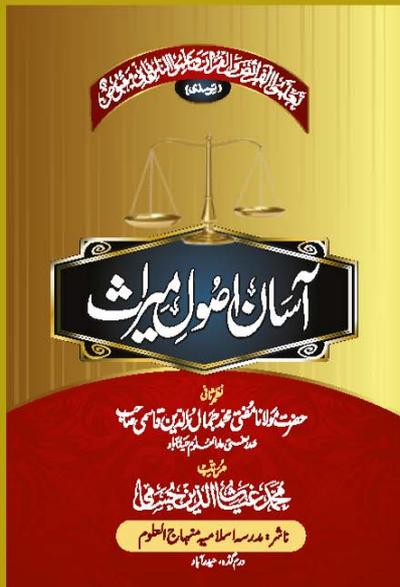
آسان علوم القرآن

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نزول کس طرح ہوا؟ اور وحی نازل ہونے کی کیفیت کیا تھی؟ وحی کب اور کیسے نازل ہوئی؟ وحی کا درجہ کیا ہے؟ نیز قرآن کریم کا نزول اور اس کا طریقہ کار اور علوم قرآن سے متعلق مباحث مثلاً حفاظت قرآن، تدوینِ قرآن، ناسخ ومنسوخ، اشاعتِ قرآن کے مراحل، تسہیلِ قرآن کے اقدامات، رموز و اوقاف وغیرہ کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کتاب میں ان تمام باتوں کو مختصر اور جامع انداز میں زبان کی تسہیل کے ساتھ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مرتب

محمد غیاث الدین حسامی

زیر اہتمام

مدرسہ اسلامیہ منہاج العلوم ورم گڈہ حیدرآباد

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب : آسان علومِ قرآن

مرتب : محمد غیاث الدین حسامی 9391717708

زیر نگرانی : حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی

صدر مفتی دار العلوم حیدرآباد

زیر اہتمام : مدرسہ اسلامیہ منہاج العلوم ورم گڈہ حیدرآباد

صفحات : 72

سن اشاعت : 2017ء مطابق ۱۴۳۸ھ

تعدادِ اشاعت : 1000

قیمت : 80

کمپوزنگ : ابوطلحہ حسامی

ملنے کے پتہ

مدرسہ اسلامیہ منہاج العلوم ورم گڈہ حیدرآباد 9391717708

دکن ٹریڈرس، چارمینار حیدرآباد 040-24511777

ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان حیدرآباد 9246543507

سنابل بک ڈپو چارمینار حیدرآباد 8686918152

سیف اسلامک بک سنٹر، مدینہ مسجد کامپلکس نلگنڈہ، 9848237678

فہرست مضامین

قرآنی معلومات

شانِ نزول یا اسباب نزول

ناسخ ومنسوخ

تاریخ جمع قرآن

تسہیل تلاوت کے اقدامات

مضامین قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی
صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

الحمدلولیہ والصلوۃ والسلام علی اھلھا، امابعد!

اللہ تعالی نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اپنی آخری کتاب قرآن کریم کا نزول فرمایا، جس میں اخلاق وشائستگی اور مبنی بر عدل وانصاف قوانین نے اہل عقل ودانش کو بطورِ خاص اپنی طرف متوجہ کیا ہے، جدید تہذیب نے اپنی ترقی کے باوجود جاہلیت، وحشت ناکی، تعصب، نفرت اور عداوت کے جوڈیرے ڈالے ہیں، قرآن انہیں ظلمات سے تعبیر کرتا ہے، یہ کتاب آج بھی ایک زندہ کتاب ہے، جس کی ضرورت کل تھی، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی، آج دنیا کے ہر خطے میں مسلمان آباد ہیں اور اس کتاب کے پیغام کو ابدی اور لافانی سمجھتے ہیں؛ اسلئے اس پر ایمان لانے کا پیغام دنیا کے ہر خطے میں تسلسل سے جاری ہے۔

قرآن مجید کو کتبِ سماوی کی تاریخ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے کہ یہ بیان للناس اور ھدی للناس سے متصف ہے، یہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اسی طرح اور اسی حالت میں موجود ہے، اور قیامت تک موجود رہے گا، جن لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا، اس کو سمجھا، اس پر عمل کیا اور اس کی طرف دوسروں کو بلایا انہیں زمانے میں عزت اور سرفرازی ملی، اور جنہوں نے قرآن مجید کے ان حقوق کے ادا کرنے میں کوتاہی کی وہ عزت وافتخار سے محروم کردئے گئے، اسی حقیقت کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعہ بعض قوموں کو عروج عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے بعض قوموں کو زوال ہوتا ہے۔

اس کتاب نے کسی خاص فرد یا قوم کو نمونہ بنا کے اپنے خیالات کو پیش نہیں کیا؛ بلکہ

ہر انسان اور ہر قوم کو یکساں پیغام دیا ہے، اسی وجہ سے یہ کوئی قدیم دستاویز نہیں اور نہ ہی صرف محدود وقت اور خطہ عرب کی قوم کی باتیں اس میں ہیں ؛ بلکہ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔** سے مخاطب ہوکر انسانوں کو خطاب کیا اور عقلی دلائل کے ساتھ ایمان اور کفر میں فرق کیا ہے، یہ کتاب اہل ایمان کو ہر لمحہ اپنے پیغام سے تازہ بتازہ رکھتی ہے، تاکہ وہ اپنے ایمان وعمل کو شیطانی خیالات سے خراب نہ کربیٹھیں اور کفر کی وضاحت کرکے کفار کو بھی کفر ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

قران ایک علمی کتاب ہے، اس کی صحیح معرفت اس کی مبادیات کے علم سے ہی ہوگی، ان علوم میں چند علوم قرآن کریم نے ہی بیان کردئے ہیں اور کچھ قرآن کریم پر غور وخوض کرکے علماء قرآن نے متعارف کرائے ہیں، یہ سب علوم قرآن فہمی میں مددگار رہیں۔

بعض علماء ومفسرین نے اس پر مستقل تصانیف مرتب کی ہیں، ان میں سیوطیؒ کی الاتقان اور صابونیؒ کی التبیان سب سے زیادہ مقبول ہیں، دورِ جدید کی کتب میں صبحی صالح کی مباحث فی علوم القرآن سے بکثرت استفادہ کیا جاتا ہے، اردو میں بھی اس سلسلہ میں گرانقدر ذخیرہ موجود ہے؛ لیکن مباحث کی کثرت وتنوع نے عام کتابوں کی ضخامت کو کافی بڑھادیا ہے، پھر علمی زبان نے مبتدی اور عامۃ الناس کے استفادہ میں مزید رکاوٹ پیدا کردی ہے، ان وجوہ سے ضرورت تھی کہ اختصار کے ساتھ عام فہم زبان میں قرآن کی مبادیات کا تعارف طلبہ وطالبات کو کرایا جائے، تاکہ ان الجھنوں سے ممکن حد تک چھٹکارہ مل جائے جو ایک قاری اور طالب علم کو تلاوت یا قرآن فہمی کے دوران پیش آتی ہیں۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مولانا محمد غیاث الدین صاحب حسامی زید علمہ وفضلہ ۔۔۔ جو دلِ دردمند اور فکر ارجمند رکھتے ہیں، کامیاب ومقبول مدرس ہیں تدریس کا طویل تجربہ ہے، بچے اور بچیوں کی نفسیات اور ان کی علمی ضرورتوں سے واقفیت ہے، اسی کے ساتھ دیندار گھرانے کے چشم وچراغ ہیں، اور ان چند صالح نوجوانوں میں سے ہیں جن سے مجھے

قوم وملت کے لئے کچھ کر گذرنے کے توقعات وابستہ ہیں، کئی کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں مثلاً: آسان اصول میراث، نیکیوں کا سمندر، وغیرہ۔۔۔نے آسان علوم القرآن کے نام سے ایک مختصر سی کتاب ترتیب دی ہے، جس میں نو اصولی ابواب جیسے ذرائع علم اور اس کی قسمیں، وحی اور اس کی قسمیں، نزول وحی کے طریقے، قرآنی معلومات، شان نزول اور اس کی قسمیں، ناسخ ومنسوخ، تاریخ جمع قرآن، تسہیل تلاوت کے اقدامات، مضامین قرآن، قائم کئے گئے ہیں، اور ہر باب کے تحت متعدد عناوین ہیں، ہر بات باحوالہ اور مستند کتابوں سے مراجعت کر کے لکھی گئی ہے؛ جس کی وجہ سے اس کتاب کی افادیت ونافعیت دو چند ہوگئی ہے، اسے میں نے پڑھا ہے اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، موصوف نے رسالہ کو مفید تر بنانے کے لئے دستیاب عربی واردو کتب کی طرف مراجعت کی ہے، امید ہے کہ دستِ شوق اس کتاب کی جانب بڑھے گا اور طلبہ وطالبات اور عامۃ الناس اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

خیال رہے کہ یہ کتاب قرآن کے ابتدائی طلبہ وطالبات کے لئے ایک مبادیات کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے مزید علوم کی تلاش میں طلبہ قرآن کو اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جہاں سے مؤلف نے جستہ جستہ معلومات اخذ کی ہیں۔

بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ اس کتاب قبولیت عامہ نصیب فرمائے، اور اس کو مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت اور باقیات صالحات بنائے، مرتب کی زبان وبیان کو دلنوازی ودلبری اور ان کی تحریرات کو شگفتگی ورعنائی عطا فرمائے، اور آئندہ بھی اس طرح کی تالیفات کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے، آمین۔

والسلام

محمد جمال الدین

۱۴ر ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

۶ر ستمبر ۲۰۱۷ء

کلماتِ بابرکت

محبوب العلماء عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

امت مسلمہ کا کتاب اللہ سے شعوری ربط و تعلق بہت ضروری ہے، اس کے بغیر بحیثیتِ مسلم زندگی گذارنا دشوار ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اسی لئے اس کا پڑھنا، سمجھنا، اپنانا، دوسروں تک پہنچانا اسکے حقوق میں سے بتلایا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کتاب کی حفاظت، اشاعت، تعلیم و تعلّم پر امت نے سب سے زیادہ توجہ دی وہ قرآن پاک ہی ہے، جب تک اس سے صحیح وابستگی رہی امت کے احوال بھی درست رہے، لیکن جب سے اس کے تعلق میں کمی یا دوری آئی امت پستی و زوال کا شکار ہوتی گئی۔ ع

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اللہ کے فضل سے علماء کرام نے قرآنیات پر غیر معمولی کام کیا؛ جس سے کتب خانے لبریز ہیں، اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ عزیزم مولوی محمد غیاث الدین حسامی نے اس سلسلہ میں عزیز طلبہ علوم قرآن کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب تیار کی ہے، جو طلبہ علوم قرآن کے لئے ابتدائی طور پر ''اہم معلوماتِ قرآن'' کی حیثیت رکھتی ہے، بندہ نے اس کا مطالعہ کیا ہے، طلبہ کرام و دیگر کے لئے بہت مفید پایا۔ اللہ تعالی موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اور رسالہ کو نافع بنائے۔ آمین

(عارف باللہ حضرت مولانا شاہ) محمد جمال الرحمن (صاحب دامت برکاتہم)
۲۰/۹/۲۰۱۷ء
۲۸/۱۲/۱۴۳۸ھ

عرض مرتب

الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم، امابعد!

قرآن مجید ایک لازوال اور دائمی کتاب ہے، جوروحوں کے تطہیر اور اخلاق کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، قرآن مجید کا نزول تقریباً ۲۳ سال کے عرصہ میں ہوا، ماحول اور حالات کے لحاظ سے آیتوں کا نزول بذریعۂ وحی ہوتا رہا، جس میں انسانوں کی فلاح و بہبودی کے لئے احکامات دیئے گئے اور گذشتہ قوموں کے واقعات کے ذریعہ عبرت وموعظت کا سامان فراہم کیا گیا۔

قرآن کریم علوم ومعرفت کا خزینہ ہے، بے شمار اسرار وحکم کا گنجینہ ہے، قرآن کے مطالب اور اس کے معانی ومفاہیم کو کماحقہ سمجھنے کے لئے نزولِ قرآن اور تفسیر قرآن سے متعلق اصولی اور بنیادی باتوں کا جاننا بے حد ضروری ہے، مثلاً: وحی کی کیفیت، نزولِ قرآن کی ابتداء، نزول وحی کے طریقے، جمع قرآن، تاریخ تدوینِ قرآن، شانِ نزول، مکی ومدنی سورتوں کی پہچان، ناسخ ومنسوخ، علم قرأت، محکم ومتشابہ آیات کی تفصیل، یہ وہ امور ہیں جن کو پیشِ نظر رکھنا قرآن کریم کے علوم حاصل کرنے والے کے لئے ناگزیر ہے۔

علوم القرآن پر علماء ومفسرین نے بڑی اہم تصانیف مرتب کی ہیں، ان میں خاص طور پر علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ''الاتقان فی علوم القرآن'' اور علامہ صابونیؒ کی ''التبیان فی علوم القرآن'' اور طرابلس لبنان کے مشہور عالم صبحی ابراہیم الصالح کی ''مباحث فی علوم القرآن'' قابلِ ذکر ہے، اردو زبان میں بھی اس علم پر گرانقدر ذخیرہ موجود ہے، جس میں خاص طور پر عصر حاضر کے معروف عالمِ دین حضرت مولانا مفتی تقی عثانی صاحب دامت

برکاتہم کی کتاب ''علوم القرآن'' مقبول عام وخاص ہے۔

مدارس دینیہ میں ترجمۂ قرآن کریم کا آغاز دو تین سال کے بعد ہوجاتا ہے، ترجمۂ قرآن کے آغاز پر اساتذہ بڑی عرق زیری کے ساتھ قرآن کے مبادیات مستند کتابوں سے انتخاب کرکے کچھ ضروری نوٹس طلبہ وطالبات کو لکھاتے ہیں، اور بعض مدارس میں ۔۔اس علم پر مستقل کوئی نصابی کتاب نہ ہونے کی وجہ سے ۔۔بغیر کسی مبادیات کے ترجمہ قرآن کا آغاز کیا جاتا ہے؛ جس کی وجہ سے طلبہ وطالبات اس علم سے ناواقف رہتے ہیں جو سراسر حق تلفی ہے، اسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔

زیر نظر کتاب دراصل فنِ علوم القرآن کی بڑی کتابوں سے منتخب نوٹس ہیں جو طلبہ وطالبات کو لکھائے گئے ہیں اور جس کو نصابی کتاب کی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ترجمۂ قرآن پڑھانے والے اساتذہ کے لئے آسانی کا ذریعہ بنے ،اس کتاب میں صرف مبادیات قرآن ذکر کئے گئے ہیں ، تفصیل کے لئے بڑی کتابوں کے طرف مراجعت کی جائے ، نیز علم تفسیر اور اس کے شرائط وغیرہ ذکر نہیں کئے گئے ؛ کیونکہ اس موضوع پر احقر کی ایک کتاب ''آسان اصولِ تفسیر'' زیر تحریر ہے۔

یہ کتاب ترجمہ قرآن کی ابتداء کرنے والے طلبہ وطالبات کے لئے تیار کی گئی ہے، اس میں نو اصولی ابواب کے تحت مختلف عناوین ذکر کئے گئے ہیں، اور تین جگہوں پر سوالات بھی دئے گئے جس میں پچاس سے زائد سوالات ہیں، پوری کتاب سبقاً سبقاً پڑھانے کے ساتھ سوالات بھی حل کرادئے جائیں تو کتاب کا احاطہ ہوجائے گا۔

اخیر میں احقر اپنے پیرومرشد محبوب العلماء عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم کا مشکور ہے کہ آپ نے احقر کی جملہ تالیفات پر اطمینان اور

پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اپنے بابرکت کلمات سے کتاب کی اہمیت کو دو چند کیا، اللہ آپ کو اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو ہمیشہ جاری رکھے۔

نیز احقر اپنے استاذ ''استاذ العلماء'' حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کا ممنون و مشکور ہے کہ حضرت نے اس کتاب کے نوک و پلک کو درست فرمایا اور مجھ ناچیز کی برابر علمی سرپرستی کرتے رہے، اور آپ ہی کے توجہات و حوصلہ افزائی پر اس سے پہلے احقر کی دو کتابیں ''آسان اصول میراث'' اور ''نیکیوں کا سمندر'' منظر عام پر آچکی ہیں، یقیناً یہ احقر کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ آپ کو بہترین بدلہ اپنے شایانِ شان عطا فرمائے، اور آپ کی علمی سرپرستی ہمیشہ قائم و دائم رکھے، آمین۔

احقر اس کتاب کی نسبت خاص طور پر اپنے والدین اور مرحوم چچا اور جملہ اساتذہ کی طرف کرتا ہے جن کی عنایات و توجہات اور مخلصانہ دعاؤں کی وجہ سے اللہ نے احقر کو علمِ دین عطا کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر ان حضرات کی توجہات اور دعائیں شامل حال نہ ہوتیں تو دین اور تعلیمات دین سے بہت دور ہوتا، اللہ تعالیٰ ان کی تمام کی محنتوں کو قبول فرمائے، دنیا اور آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ **صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و آله و صحبه اجمعين۔**

محمد غیاث الدین حسامی
۱۶ر ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ
۸ر ستمبر ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذرائع علم اور اس کی قسمیں

حصولِ علم کے ذرائع

اللہ تعالی نے علم حاصل کرنے کے تین ذرائع رکھے ہیں، انسان انہی تین ذرائع سے علم حاصل کرتا ہے، (۱) حواسِ خمسہ ظاہرہ، یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور تمام جسم (۲) عقل (۳) وحی۔

حواسِ خمسہ ظاہرہ

علم حاصل کرنے کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب اس طرح ہے کہ انسان کو کچھ چیزوں کا علم حواسِ خمسہ ظاہرہ سے ہوتا ہے، مثلاً: آنکھ سے دیکھ کر معلوم ہو گیا کہ ہمارے سامنے ایک شخص موجود ہے، اس کا رنگ گندمی اور قد لمبا ہے وغیرہ۔

عقل

اسی طرح بعض چیزوں کا علم عقل سے ہوتا ہے، جیسے حواسِ خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص موجود ہے؛ لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کو کس نے پیدا کیا، اب عقل نے بتادیا کہ اس کو اللہ نے پیدا کیا ہے، لیکن یہ عقل سے حاصل ہونے والا علم بھی محدود ہے، کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کے جن کا علم نہ حواسِ خمسہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ عقل سے جیسے: اس شخص کے بارے میں عقل نے یہ تو بتادیا کہ اسے اللہ نے پیدا کیا؛ لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا؟ اس پر کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اس کا کونسا کام اللہ کو پسند ہے اور کونسا ناپسند؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ عقل اور حواس مل کر بھی ان کا جواب نہیں دے سکتے۔

وحی

اس کے جوابات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دے سکتے ہیں، اور اللہ نے انکے جوابات انسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ مقرر فرمایا ہے اسی کا نام وحی ہے، اس لئے وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق جوابات مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہوتے، اس تشریح سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے۔

وحی اور اس کی قسمیں

وحی کی لغوی تعریف

وحی اور ایحاء کے لغوی معنی جلدی سے کسی بات کا اشارہ کرنے کے ہیں، خواہ یہ اشارہ آواز کے ذریعہ ہو یا کسی عضو کو حرکت دے کر ہو یا تحریر ونقوش کے ذریعہ ہو، جیسے: حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ''**فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا**'' پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح وشام تسبیح کرتے رہا کرو(۱)

وحی اور ایحاء کے ایک معنی دل میں بات ڈالنے کے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے'' **وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا**'' اور آپ ؐ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنائے (۲)

---

(۱) مریم ۱۱
(۲) النحل ۶۸

وحی کی اصطلاحی تعریف

''الْمُنَزَّلُ على نبي من أنبيائه'' اللہ تعالی کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر نازل ہوا ہو(۱)

وحی اور ایحاء میں فرق

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ وحی اور ایحاء دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ایحاء کا معنی ومفہوم عام ہے، نبی یا غیر نبی میں سے کسی کے دل میں اشارہ سے بات ڈالنا ایحاء کہلاتا ہے، لہذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور ''وحی'' صرف انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اللہ نے لفظ ''ایحاء'' نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال کیا ہے، اور لفظِ وحی صرف انبیاء کے لئے استعمال فرمایا۔(۲)

بہر حال وحی وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالی اپنا کلام اپنے کسی منتخب بندے تک پہنچاتا ہے اور اس بندے کے ذریعہ تمام انسانوں تک وہ کلام پہنچاتا ہے۔

وحی کی تعلیمات

وحی کے ذریعہ بندوں کو اُن باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو محض عقل اور حواس سے معلوم نہیں ہوتے ہیں، یہ باتیں خالص دینی بھی ہوسکتی ہیں، اور دنیا کی عام ضروریات کی بھی ہوسکتی ہے، انبیاءؑ کی وحی عموماً پہلی قسم کی ہوتی ہے، لیکن بوقت ضرورت دنیوی ضروریات بھی بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا طریقہ(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت، حضرت آدم علیہ السلام کو خواص اشیاء کا علم، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ علم طب بنیادی طور پر بذریعہ وحی نازل ہوا ہے۔(۱)

---

(۱)عمدۃ القاری شرح بخاری، باب قول اللہ تعالی ونضع الموازین
(۲)فیض الباری شرح بخاری ص:19 ج1 مطبع حجازی قاہرہ
(۳)ھود ۲۷
(۴)النبراس علی شرح العقائد، ص ۴۲۷ ـ ۴۲۸ مطبوعہ امرتسر 1318ھ

وحی کی اقسام

علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وحی کی ابتداءً ا تین قسمیں ہیں(۱)وحی قلبی (۲) کلام الٰہی (۳)وحی مَلَکی

(۱)**وحی قلبی:** اللہ تعالی کا براہ راست نبی کے قلب (دل) میں کوئی بات ڈالنا وحی قلبی کہلاتا ہے، اس میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت وحواس کا دخل ہوتا ہے، اور نہ اس میں کوئی آواز سنائی دیتی؛ بلکہ اچانک کوئی بات دل میں آجاتی ہے، اور یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی؛ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، جیسے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

(۲) **کلام الٰہی:** اللہ تعالی کا براہ راست نبی سے بات کرنا، اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا، لیکن نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، وحی کی اس قسم میں چونکہ باری تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس لیے یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں افضل اور اعلیٰ ہے جیسے ''**وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا**'' اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے خوب باتیں کیں(۱)

(۳)**وحی مَلَکی:** اللہ تعالی اپنا کلام کسی فرشتہ کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے، کبھی یہ فرشتہ نبی کو اپنی اصلی صورت میں نظر آتا، کبھی کسی انسان کی صورت میں نظر آتا ہے، اور کبھی نظر ہی نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، وحی کی ان تینوں قسموں کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''**مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ**'' کسی انسان کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ سے (روبرو ہوکر) بات کرے، مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے وحی نازل کرتا ہے۔(۲)

---

(۱)النساء:۱٦٤
(۲)الشوری:۵۱

اس آیت میں وَحْیًا (دل میں بات ڈالنے) سے مراد ''وحی قلبی'' ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد ''کلام الٰہی'' ہے اور پیغامبر بھیجنے سے مراد ''وحیِ مَلَکی'' ہے۔

نزول وحی کے طریقے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے طریقے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی، علامہ حلیمی ؒ نے تو لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی چھیالیس ۴۶ طریقوں سے نازل ہوتی تھی (۱) لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حامل وحی (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کی مختلف صفات کو وحی کے مختلف طریقے شمار کر کے تعداد چھیالیس تک پہنچا دی ہے؛ ورنہ تعداد اتنی نہیں ہے، (۲) البتہ مختلف احادیث میں نزولِ وحی کے درجِ ذیل چھ طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔

(۱) صلصلۃ الجرس

صلصلۃ الجرس کا معنی ہے گھنٹیوں کی آواز، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو گھنٹیاں بجنے جیسی آواز سنائی دیتی تھی، وحی کا یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ سخت اور دشوار ہوتا تھا، نزولِ وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سانس رکنے لگتی، چہرہ انور زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت کپکپانے لگتے اور پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جاتی (۳) اور جس جانور پر آپ سوار ہوتے

---

(۱) فتح الباری، ص ۱۶، ج ۱
(۲) فتح الباری، ص ۱۶، ج ۱
(۳) زاد المعاد فی هدی خیر العباد، ص ۱۸ و ۱۹ ج ۱

وہ بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا، (۱) اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری روح کھنچ رہی ہے (۲)

گھنٹی سے تشبیہ دینے کی وجہ

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے حوالہ سے گھنٹی سے تشبیہ دینے کی بہترین توجیہ بیان کی ہے، آپ رحمۃ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ تشبیہ دو اعتبار سے دی گئی ہے، (۱) ایک تو آواز کے تسلسل کے اعتبار سے کہ جب گھنٹی بجتی ہے تو اس کی آواز میں تسلسل ہوتا ہے کسی جگہ ٹوٹتی نہیں، اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی، (۲) دوسرے سمت متعین نہ ہونے کے اعتبار سے کہ جب گھنٹی مسلسل بج رہی ہو تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی چونکہ جہت اور مکانِ متعین سے پاک ہے، اس لئے اس کے کلام کی آواز نزول کے وقت کسی ایک سمت سے نہیں آتی بلکہ ہر جہت سے آتی ہے، لیکن اس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دیدی ہے۔ (۳)

(۲) تمثل ملک

تمثل ملک سے مراد یہ ہے کہ فرشتہ (جبرئیل) کسی انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچادیتا ہے، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، (۴) البتہ کبھی دوسری صورتوں میں بھی آنا ثابت ہے، مثلاً حدیث جبرئیل میں ہے کہ ایک اجنبی کی صورت میں حضرت جبرئیل تشریف لائے تھے (۵) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے

---

(۱) زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، ص ۱۸ و ۱۹ ج ۱
(۲) کتاب السیرۃ النبویہ، حدیث نمبر ۴۲، قاھرہ
(۳) فیض الباری س ۱۹ و ۲۰ ج ۱، قاھرہ ۱۳۵۷ھ
(۴) مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمر حدیث نمبر ۵۸۵۷ (۵) مشکوۃ المصابیح، ص ۱۱ ج ۱

حضرت دحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے، اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو کپڑے میں چھپا کر چلا کرتے تھے(۱)

(۳)فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا

کبھی حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، (۱) ایک مرتبہ اس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی (۲) دوسری مرتبہ معراج میں، (۳) تیسری مرتبہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر (۲)

(۴)رؤیائے صادقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے سچے خواب نظر آیا کرتے تھے، اور جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا (۳)

(۵) کلامِ الٰہی

کلامِ الٰہی کا مطلب براہِ راست اللہ سے بات کرنا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بات کیا تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بیداری میں معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، اور ایک مرتبہ خواب میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے (۴)

---

(۱) عمدۃ القاری، ص ۴۷ ج ۱
(۲) الاتقان فی علوم القرآن، النوع السادس عشر، فی کیفیت انزالہ، ص ۴۶، ج ۱
(۳) بخاری، باب بدء الوحی، حدیث نمبر ۳
(۴) الاتقان فی علوم القرآن، النوع السادس عشر، فی کیفیت انزالہ، ص ۴۶، ج ۱

(۶) نفث فی الرّوع

نفث فی الروع کا معنی ہے دل میں بات کا ڈالنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **"إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رَوْعِي"** روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی (۱) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبرئیلؑ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا سے نہیں جائے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (۲)

وحی، کشف اور الہام میں فرق

وحی صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہوتی ہے، اور کسی بھی غیر نبی کو خواہ وہ تقدس اور ولایت کے کتنے بلند مقام پر ہو وحی نہیں آسکتی، اور وحی میں اس کا علم بھی ہو جاتا ہے کہ یہ بات کس نے دل میں ڈالی ہے؟ جیسے اوپر کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کی نشاندہی کی ہے، اور کشف و الہام یہ ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو کچھ باتیں بتا دیتا ہے، اسے کشف یا الہام کہا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء کی وحی یقینی ہوتی ہے اور اس کی اتباع کرنا فرض ہے، لیکن اولیاء اللہ کا کشف و الہام یقینی نہیں ہوتا، اور نہ اس کشف و الہام کی اتباع کرنا انسانوں پر فرض ہے۔

کشف اور الہام میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ کشف کا تعلق حسیات سے ہے، یعنی اس میں کوئی چیز یا واقعہ آنکھوں سے نظر آتا ہے، اور

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن، النوع السادس عشر، فی کیفیت انزاله، ص ۴۶، ج ۱
(۲) المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۲۱۳۶

الہام کا تعلق وجدانیات سے ہے، یعنی اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی، صرف دل میں کوئی بات ڈالی جاتی ہے۔(۱)

وحی متلو اور غیر متلو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کی دو قسم ہیں (۱) وحی متلو (۲) وحی غیر متلو۔

(۱) وحی متلو (یعنی تلاوت کی جانے والی وحی) وہ وحی ہے جس میں قرآن کریم کی آیات کی وحی کی گئی، جن کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ ہو، اور قرآن کریم میں محفوظ کر دی گئی ہے، اس کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی نہیں بدلا جا سکتا ہے۔

(۲) وحی غیر متلو (یعنی تلاوت نہ کی جانے والی وحی) وہ وحی ہے جو قرآن کریم کا جُزو نہیں ہے، لیکن اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے احکام عطا کئے گئے ہیں، اس وحی میں مضمون من جانب اللہ ہوتا ہے اور اس کو بیان کرنے کیلئے الفاظ آپ ﷺ کے ہوتے ہیں ''وحی غیر متلو'' احادیث کی شکل میں محفوظ ہے، عموماً وحی متلو میں اسلام کے اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات ذکر کئے گئے، ان تعلیمات کی تفصیل اور جزوی مسائل ''وحی غیر متلو'' میں بتلائے گئے ہیں،، وحی کی ان دونوں قسموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اسطرح ارشاد فرمایا ہے ''**أَلا إِنِّي أُوتِيتُ القُرآنَ و مِثلَهُ مَعَهُ**'' سن لو! مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس جیسی دوسری تعلیمات بھی دی گئی ہیں، (۲) اس حدیث میں ''**القرآن**'' سے مراد وحی متلو ہے اور ''**وَ مِثلَهُ مَعَهُ**'' سے مراد یہی وحی غیر متلو ہے۔

---

(۱) فیض الباری ص ۱۹، ج ۱

(۲) مسند احمد، باب حَدِيثُ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، حدیث نمبر ۱۷۱۷۴

سوالات

(۱)حصول علم کے کتنے ذرائع ہیں، ہر ایک کی تعریف مع مثال کیجئے۔

(۲)وحی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف مع مثال کیجئے۔

(۳)وحی اور ایحاء میں کیا فرق ہے۔

(۴) کیا وحی کے ذریعہ صرف دینی باتیں ہی بتلائی جاتی ہے یا دنیوی باتیں بھی بتلائی جاتی ہے۔

(۵)وحی کی کتنی قسمیں ہیں۔

(۶)وحی قلبی، کلامِ الٰہی، وحی ملکی، کی تعریف مع مثال کیجئے۔

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کتنے طریقے پر نازل ہوتی تھی۔

(۸)صلصلۃ الجرس سے کیا مراد ہے۔

(۹)گھنٹی سے تشبیہ کیوں دی گئی۔

(۱۰) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول وحی کے وقت تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

(۱۱)تمثل ملک کا مطلب کیا ہے۔

(۱۲)وحی لانے والا فرشتہ اپنی اصلی شکل میں کتنی مرتبہ آیا۔

(۱۳)نفث فی الروع کسے کہتے ہیں۔

(۱۴)وحی، کشف، الہام میں کیا فرق ہے، نیز وحی کی طرح کشف والہام بھی قابل اتباع ہے۔

(۱۵)وحی متلو اور غیر متلو کی مع مثال تعریف کیجئے۔

نزولِ قرآن اور اس کی تفصیلات

قرآن کی لغوی واصطلاحی تعریف

لفظِ قرآن یا تو ''**قَرَأَ، یَقْرَأُ، قِرَاءَۃً، قُرْآنًا**'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہے پڑھنا ،تلاوت کرنا، چونکہ قرآن کریم کو کثرت سے پڑھا جاتا ہے؛ اسلئے اسے قرآن کہتے ہیں، یا پھر ''**قَرَنَ، یَقْرَنُ، قُرُوْنًا**'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہے ملنا، چونکہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اس لئے اسے قرآن کہتے ہیں۔

اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ''**اَلْقُرْآنُ الْمُنَزَّلُ عَلَی الرَّسُوْلِ الْمَکْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلُ إِلَیْنَا نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْھَۃٍ**'' قرآن وہ کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور جو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) ہم تک تواتر کے ساتھ بغیر کسی شبہ کے منقول ہے۔(۱)

قرآن کریم کے نام اور وجہ تسمیہ

علامہ ابوالمعالیؒ نے قرآن کریم کے پچپن (۵۵) نام شمار کیے ہیں (۲) اور بعض حضرات نے ان کی تعداد نوے ۹۰ سے متجاوز بتائی ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی صفات مثلاً مجید، کریم اور حکیم وغیرہ کو نام قرار دے کر تعداد اس حد تک پہنچادی ہے، ورنہ حقیقت میں قرآن کریم کے کل نام پانچ ہیں ''**القرأن**'' ''**الفرقان**'' ''**الذکر**'' ''**الکتاب**'' اور ''**التنزیل**'' (۳) خود قرآن کریم نے یہ پانچوں الفاظ اسم علم کے طور پر ذکر کیا ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہے، چنانچہ خود اللہ تعالی نے کم از کم اکسٹھ ۶۱ مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔(۴)

---

(۱) شرح التلویح علی التوضیح، باب الرکن الاول فی الکتاب أی القرآن
(۲) الاتقان فی علوم القرآن" ص ۱۵ ج ۱
(۳) مناھل العرفان ص ۸ ج ۱
(۴) فتح الرحمن لطالب آیات القرآن، صفحہ ۳۵۹، ۳۵۹

نازل ہونے سے پہلے قرآن مجید کہاں رکھا ہوا تھا

قرآن کریم دراصل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لئے ازل سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے "**بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ**(۱) بلکہ یہ بڑی شان والا قرآن مجید ہے، (جو لکھا ہوا ہے) لوح محفوظ میں۔

پہلا نزول قرآن

قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا، اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ پورا قرآن لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیتِ عزت پر نازل کیا گیا، پھر دوسری مرتبہ وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳ سال کے عرصہ میں مکمل قرآن نازل ہوا، اسی لئے قرآن کریم میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ایک لفظ "**اِنْزَالٌ**" انزال کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کر دینا، جیسے "**إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ**" بلا شبہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں مکمل اتارا ہے (۲)

اور دوسرا لفظ "**تَنْزِيْلٌ**" تنزیل کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا، اور قرآن مجید یہ لفظ بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے، جیسے "**وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا**" اور قرآن کو ہم نے متفرق طور سے اس لئے اتارا؛ تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ (۳)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا پہلا نزول لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیت العزت پر لیلۃ القدر میں یکبارگی ہوا۔

---

(۱) البروج ۲۱۔۲۲
(۲) الدخان ۳
(۳) الاسراء ۱۰۶

دوسرے نزول کی ابتداء

اس بات پر جمہور امت کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول اس وقت ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی سے ہوا ہے(۱)

لیکن مشہور یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ماہ ربیع الاول میں عطا ہوئی، ان دونوں اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ربیع الاول میں سچے خواب آنے شروع ہوئے تھے، یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا، پھر رمضان میں قرآن نازل ہوا (۲) پھر بعض روایات سے رمضان کی سترہویں، بعض سے انیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔(۳)

قرآن کریم کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

جمہور علماء کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلے جو آیتیں اُتریں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں، جس کی تفصیل ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک ایک فرشتہ آیا اور آپ سے کہا کہ ''**اِقْرَأ**'' (یعنی پڑھو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے دبایا کہ مجھ پر تکلیف کی انتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ ''**اِقْرَأ**'' میں نے جواب دیا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے دبایا

---

(۱) الاتقان فی علوم القران ص: ۴۲، ج ۱ بحوالہ علوم القرآن مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ ص: ۵۵
(۲) الاتقان، ص ۴۲، ج ۱
(۳) جامع البیان لابن جریر طبری ۱۰/۷

کہ مجھ پر تکلیف کی انتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ ''اِقْرَأْ'' میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس پر اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور دبا کر چھوڑ دیا، پھر کہا ''**اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ**'' پڑھو، اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو لے کر واپس گھر کی طرف آئے تو آپ کا مبارک دِل دھڑک رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے، اور فرمایا: **زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ** (مجھے کمبل اڑھاؤ) حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل اُڑھایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف جاتا رہا(۲)

جمہور علماء کے نزدیک یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس زمانے کو فترتِ وحی کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان و زمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اُس نے سورۃ مدثّر کی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔

مکی اور مدنی آیات

قرآن کریم کی سورتوں کے ناموں کے ساتھ مکی یا مدنی لکھا ہوتا ہے، جیسے ''**سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ**''، ''**سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ**'' وغیرہ، مکی اور مدنی آیتوں کا صحیح مفہوم اکثر مفسّرین کی اصطلاح کے مطابق یہ ہے کہ مکی آیتیں وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ طیبہ ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئیں، اور مدنی آیتیں وہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

---

(۱) العلق ۱-۳

(۲) بخاری شریف، باب کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر ۳

بعض لوگ مکی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ میں نازل ہوئی، اور مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شہر مدینہ میں اُتری، لیکن اکثر مفسرین کی اصطلاح کے روشنی میں یہ مطلب لینا درست نہیں، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو مکہ یا مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں؛ بلکہ منیٰ، عرفات یا سفر معراج اور سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئی ہیں، اسی لئے مفسرین نے ہجرت کو معیار بنایا ہے، جیسے: آیت قرآنی ''**إِنَّ اللَّـهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا**'' (۱) مدنی ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، خلاصہ یہ کہ مکی اور مدنی کی تقسیم اگرچہ بظاہر مقامات نزول کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت وہ زمانہ نزول کے اعتبار سے ہے، ہجرت کی تکمیل سے قبل کی آیات مکی ہیں اور بعد کی مدنی۔(۲)

مکی اور مدنی سورتوں کی تعیین

آیتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث منقول نہیں ہے؛ لیکن حضرات صحابہؓ نے ہی سورتوں اور آیتوں کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ کونسی سورت یا آیت مکی ہے اور کون سی مدنی ہے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کی کتاب کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟(۳) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے پوچھ لو اللہ کی کتاب کے بارے میں، خدا کی قسم! میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن کو، میدانی علاقہ میں اُتری یا پہاڑ پر۔(۴)

---

(۱) النساء ۵۸
(۲) مناهل العرفان ص ۱۸۸، ج ۱
(۳) بخاری، باب القراء من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، حديث نمبر ۵۰۰۲
(۴) الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثمانون فی طبقات المفسرین

البتہ بعض آیتوں یا سورتوں کے بارے میں دوسرے قیاسات وشواہد کی بنیاد پر بھی کسی آیت کو مکی یا مدنی قرار دے دیا جاتا ہے، مثلاً جن آیات میں غزوہ بدر کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ مدنی ہی ہوسکتی ہیں یا جن آیتوں میں خاص طور پر مشرکین مکہ سے خطاب ہے، ان میں سے بیشتر کو مکی ہی سمجھا جاسکتا ہے۔(۱)

مکی ومدنی آیتوں کی خصوصیات

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کی چھان بین کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔

(۱) ہر وہ سورت جس میں لفظ کَلَّا (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے آخری نصف حصہ میں ہیں۔

(۲) ہر وہ سورت جس میں کوئی آیتِ سجدہ آئی ہے وہ مکی ہے (اور حنفیہ کے مسلک مطابق پورے قرآن مجید میں ۱۴ آیات سجدہ ہیں، سورۃ حج کے سجدہ کو چھوڑ کر)۔

(۳) سورۃ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت جس میں آدم علیہ السلام وابلیس کا واقعہ آیا ہے وہ مکی ہے۔

(۴) مکی سورتوں میں عموماً "**یا ایھا الناس**" (اے لوگو!) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

(۵) ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔

(٦) ہر وہ سورت جس میں منافقین کا ذکر آیا ہے وہ مدنی ہے، بعض علماء نے اس قاعدے سے سورۃ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۃ عنکبوت بحیثیت مجموعی تو مکی ہے؛ مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔(۲)

(۷) مدنی سورتوں میں "**یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا**" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

---

(۱) بحوالہ علوم القرآن، مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ، ص: ٦١
(۲) مناهل العرفان، ص ۱۹۱، ج ۱

(۸) مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی اور مختصر ہیں اور مدّنی آیات وسورتیں طویل ہیں۔

(۹) مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر ونشر کی منظر کشی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر وتسلی کی تلقین اور پچھلی اُمتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام وقوانین کم بیان ہوئے ہیں، اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدّنی قوانین، جہاد وقتال کے احکام اور حدود وفرائض بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۰) مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے، اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے ہے۔

(۱۱) مکی سورتوں کا اسلوبِ بیان زیادہ پُرشکوہ ہے، اس میں استعارات، تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں، اور ذخیرۃ الفاظ بہت وسیع ہے، اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبتاً سادہ ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کی درج بالا خصوصیات عمومی اور اکثری ہیں، یعنی کبھی کبھی ان کے خلاف بھی ہوجاتا ہے۔

مقام اور وقت کے لحاظ سے نزول آیات کی قسمیں

آیاتِ قرآنی میں مکی اور مدنی کی تقسیم کے علاوہ نزول کے مقام اور وقت کے لحاظ سے مفسّرین نے کچھ اور قسمیں بھی بیان فرمائی ہیں، مثلاً

(۱) **حضری آیات:** اُن آیتوں کو کہتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وطن میں نازل ہوئیں، اکثر قرآنی آیات ایسی ہی ہیں،

(۲) **سفری آیات:** وہ آیتیں ہیں جو سفر کی حالت میں نازل ہوئیں، مثلاً ''**إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا**'' فتح مکہ کے سفر میں نازل ہوئی، علّامہ سیوطیؒ نے اس قسم کی تقریباً چالیس ۴۰ آیتیں شمار کی ہیں (۱)

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثانی فی معرفۃ الحضری و السفری

(۳) **نہاری آیات:** وہ آیات ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں، بقول علّامہ ابن حبیبؒ اکثر اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۴) **لیلی آیات:** وہ آیات ہیں جو رات کے وقت نازل ہوئیں، مثلاً سورۃ آلِ عمران کے آخری آیات ''**انَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ**'' رات کے وقت نازل ہوئی تھیں، علّامہ سیوطیؒ اس کی مزید ایک درجن مثالیں الاتقان فی علوم القرآن میں ذکر کی ہیں۔(۱)

(۵) **صیفی آیات:** وہ آیات ہیں جو گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں، مثلاً سورۂ نساء کی آخری آیت ''**يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ**'' صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کے مطابق یہ آیت گرمی میں نازل ہوئی تھی، اور دوسری روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ آیتیں حجّۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جتنی آیات نازل ہوئیں وہ سب صیفی ہیں، مثلاً ''**الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُم**'' وغیرہ۔

(٦) **شتائی آیات:** وہ آیات ہیں جو سردی کے موسم میں نازل ہوئیں، مثلاً سورۂ نور کی آیات ''**إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ**'' جن میں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کی تردید کی گئی ہے، سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں، اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر سورۂ احزاب کی آیات بھی اسی قسم کی ہیں، کیونکہ یہ غزوہ بھی سردی کے موسم میں پیش آیا تھا۔

(۷) **فراشی آیات:** وہ آیات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے وقت نازل ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر تھے، چنانچہ آیت ''**وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ**''(۲) اسی حالت میں نازل ہوئی، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی دو مثالیں اور ذکر کی ہیں۔(۳)

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثانی فی معرفۃ النہاري واللیلي
(۲) المائدہ ۶۷
(۳) الاتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس، الفراشی والنومی

(۸) نومی آیات: وہ آیات جو نیند کی حالت میں اتریں، جیسے: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علی وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا ایک جھونکا آیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ "**إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَر**" تلاوت فرمائی۔(۱)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ نیند کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت قرآنی نازل نہیں ہوئی، اوپر کی روایت میں جس کیفیت کو نیند کے جھونکے سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے لئے اصل حدیث میں "**اغفاءة**" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور امام رافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد نیند نہیں، بلکہ وہ مخصوص حالت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی، اس لئے اس حدیث سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ نزول قرآن نیند میں بھی ہوا ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی امام رافعی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے(۲)

(۹) سماوی آیات: وہ آیات ہیں جو معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئیں، ان کے بارے میں صرف ایک روایت صحیح مسلم کی ملتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب نازل ہوئیں۔(۳)

(۱۰) فضائی آیات: علامہ ابن عربیؒ نے ایک قسم ایسی بھی ذکر کی ہے جو نہ زمین پر نازل ہوئی نہ آسمان پر، جیسے سورۃ صافات کی تین آیتیں "**وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ**"(۴) اور آیت "**مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا**"(۵) اسی قسم میں داخل ہیں؛ لیکن علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں مل سکی۔(۶)

---

(۱) صحیح مسلم، بَابُ حُجَّةِ مَنْ قَالَ: الْبَسْمَلَةُ آيَةٌ، حدیث نمبر ۴۰۰
(۲) الاتقان، ص ۲۳، ج ۱
(۳) الاتقان، ص ۲۴، ج ۱
(۴) الصافات ۱۶۷
(۵) الزخرف ۴۵
(۶) الاتقان فی علوم القرآن، النوع السادس، الارضی و السمائی

قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کیوں نازل کیا گیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم یکبارگی نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا تقریباً ۲۳ سال میں اتارا گیا ہے، بعض اوقات حضرت جبرئیلؑ ایک چھوٹی سی آیت؛ بلکہ آیت کا کوئی جزو لے کر آتے، بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت لے آتے، اور کبھی پوری سورت ایک مرتبہ میں لے کر آتے جیسے سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے، نیز قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقل وحی کے ذریعہ نازل ہوا وہ یہ ہے ''**غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ**''(۱) جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، (۲)

قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکین عرب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، جب کہ پچھلی کتابیں، تورات، زبور، اور انجیل ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی، اللہ تعالی نے خود ہی اس کا جواب دیا ہے ''**وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا، وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا**'' اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ (پیغمبر) پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا (اس اعتراض کا جواب ہے کہ) اس طرح تدریجاً اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تا کہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اسی لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھہر اٹھہر اکر اتارا ہے (۳)

اس کے علاوہ امام رازیؒ نے قرآن کریم کے تدریجی نزول کی درج ذیل حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھے پڑھے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا۔

---

(۱) النساء ۹۵
(۲) تفسیر ابن کثیر، ص ۱۲۲، ج ۲
(۳) الفرقان ۳۲

(۲) اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہوجاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف تھا۔

(۳) حضرت جبرئیلؑ کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا کفارِ مکہ کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کو آسان بنادیتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویتِ قلب کا سبب بنتا تھا۔

(۴) قرآن کریم کا ایک بڑا حصّہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ایک ہی وقت میں پورا نازل کرنا مناسب نہیں تھا، جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس وقت وہ آیتیں نازل کی گئیں۔(۱)

کیا موجودہ ترتیب ترتیبِ نزول پر ہے

قرآن کریم جس ترتیب کے ساتھ اس وقت موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا، بلکہ ضرورت اور حالات کے مطابق نازل ہوتا تھا، اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ کاتبینِ وحی کو یہ بتادیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لیا جائے، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے مقام پر درج ہوجاتی تھی، ترتیبِ نزول کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور نہ صحابہؓ نے؛ اس لئے جب قرآن مکمّل ہوگیا تو صحابہ کو نزولی ترتیب یاد نہیں رہی، البتہ جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کی نزولی ترتیب یاد تھی، موجودہ ترتیب اگرچہ ترتیب نزول پر نہیں ہے لیکن آپ ﷺ کے بتائی ہوئی ترتیب پر ضرور ہے، جیسے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ کاتبینِ وحی کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھی جائے گی، اور صحابہؓ نے قرآن کریم کو اسی ترتیب سے یاد کیا تھا جو حضور ﷺ نے بتائی تھی۔

---

(۱) التفسیر الکبیر للامام الرازی علیہ الرحمۃ، ص ۳۶۳ ج ۲ المطبعۃ العامرہ ۱۳۲۴ھ

آیات محکمات ومتشابہات

آیتوں کے معانی اور مراد کے واضح اور غیر واضح ہونے کے لئے اعتبار سے آیتوں کی دو قسم ہیں (۱) آیاتِ محکمات (۲) آیاتِ متشابہات۔

آیاتِ محکمات

وہ آیتیں ہیں کے معانی و مفہوم واضح اور صاف ہو، جو آسانی سے سمجھ میں آجا تا ہو، مثلاً ''**أَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا**'' اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے (البقرۃ:۲۷۵)

آیاتِ متشابہات

وہ آیتیں ہیں جن کے معانی و مراد واضح نہ ہو، اور جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے، جیسے ''**الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى**'' رحمن (اللہ) عرش پر قائم ہوا (طٰہٰ:۵) اللہ عرش پر کیسے قائم ہوا، اس کے کیفیت کیا ہے، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، بندوں میں کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔ نیز حروفِ مقطعات (الٓمٓ) وغیرہ بھی متشابہات میں سے ہیں۔

آیاتِ محکمات ومتشابہاتِ کا حکم

آیاتِ محکمات کے معانی واضح ہوتے ہیں اسلئے اسکے احکام کے تعمیل کرنا ضروری اور اس سے مسائل مستنبط کرنا درست ہے، لیکن آیاتِ متشابہات کے معانی اور مراد واضح نہیں ہے اسلئے اس کے معانی کی تحقیق و تعیین کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ اللہ کے رازوں میں سے ہیں، اور اللہ کے راز کو وہی لوگ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے دل میں ٹیڑھاپن (نفاق) ہوتا ہے، جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۷ میں بیان کیا گیا ہے۔

شانِ نزول یا اسباب نزول

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نازل فرمایا، کوئی خاص واقعہ یا سوال وغیرہ ان کے نزول کا سبب نہیں بنا، دوسری آیتیں ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ یا سوال کی وجہ سے ہوا، پس وہ واقعہ یا سوال مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول یا شان نزول کہلاتا ہے، مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ہے ''**وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ**'' مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور بلاشبہ ایک مومن کنیز ایک مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ تمہیں پسند ہو۔(۱) یہ آیت ایک خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت میں حضرت مرثد ابن ابی مرثد غنویؓ کا تعلق عناق نامی عورت سے تھا، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ کسی کام سے حضرت مرثدؓ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو اس عورت نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثدؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت طلب کی، اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی۔(۲) یہ واقعہ اس آیت کا سبب نزول یا شان نزول ہے۔

شان نزول کی اہمیت وضرورت

علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ شانِ نزول جاننے کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکام

---

(۱) البقرہ:۲۲۱

(۲) اسباب النزول، ص ۳۸، مصطفی البابی، مصر ۱۳۷۹ھ

کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے کن حالات میں اور کیوں نازل فرمایا؟ (۱) مثلاً سورۃ نساء میں ارشاد ہے "**یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُکَارَیٰ**" اے ایمان والو! تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو (۲)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ حالتِ نشہ میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، جب کہ سب جانتے ہیں شراب بالکل حرام ہے تو یہ بات کیوں کہی گئی، اس سوال کا جواب صرف شانِ نزول ہی سے مل سکتا ہے، چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ صحابہ رضوان اللہ کو کھانے پر مدعو کیا، وہاں کھانے کے بعد شراب پی گئی، اسی حالت میں نماز کا وقت آ گیا، تو ایک صحابی نے امامت کی اور نشہ کی وجہ سے قرآنی آیات کی تلاوت میں غلطی کر گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳)

بسا اوقات سبب نزول کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا، جیسے سورۃ بقرہ میں ہے "**وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ، فَأَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ**" اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں، پس جدھر بھی تم رُخ کرلو اُدھر ہی اللہ کا رُخ ہے (۴) اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں، مشرق و مغرب سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے، اس لئے جس طرف بھی رُخ کرلیا جائے نماز ہوجائے گی، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے، یہ مشکل صرف شان نزول کو دیکھ کر ہی حل ہوسکتی ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (۵)

---

(۱) البرهان في علوم القرآن، ص ۲۲، ج ۱، عیسی البابی ۱۳۷۶ھ
(۲) النساء ۴۳
(۳) تفسیر ابن کثیر، ص ۵۰۰، ج ۱
(۴) البقرۃ ۱۱۵
(۵) الاتقان، ص ۳۳، ج ۱

خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اللہ ہر طرف موجود ہے، لہٰذا وہ جس طرف بھی رُخ کرنے کا حکم دے دے، ادھر رُخ کرنا واجب ہے، اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال فرماتا ہے جن کا شان نزول سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو وہ الفاظ (معاذ اللہ) بے فائدہ اور بعض اوقات بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرۃ میں ہے ''**فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ**'' پس جب تم افعالِ حج پورے کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے اپنے آباء کو یاد کرتے ہو۔(۱) اس آیت کا یہ حصہ کہ ''جیسے تم اپنے آباء کو یاد کرتے ہو'' بے جوڑ معلوم ہوتا ہے، لیکن شانِ نزول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، مشرکین عرب کا یہ معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد مزدلفہ میں اپنے اپنے آباء واجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے، تو اللہ تعالی نے حکم دیا کہ اب یہاں باپ دادوں کی تعریفیں کرنے کی بجائے اللہ کا ذکر کیا کرو۔(۲)

قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی تھوڑے نہیں ہیں جن میں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے، اور جب تک واقعہ معلوم نہ ہو، ان آیات کا مطلب سمجھا ہی نہیں جا سکتا، مثلاً ارشاد ہے ''**وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ**'' اور جس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (مٹی) پھینکی تو وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہیں پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی (۳) یہ آیت غزوہ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے گھیرے میں آنے کے وقت ایک مُٹھی خاک اُن کی طرف پھینکی تھی، اور

---

(۱) البقرۃ ۲۰۰
(۲) الاتقان، ص ۲۰، ج ۱
(۳) الانفال ۱۸

اس کے بعد گھیرا ٹوٹ گیا تھا(۱) اگر یہ سببِ نزول ذہن میں نہ ہوتو آیت کا مطلب کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟

اس مختصر سی گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تفسیر قرآن میں شانِ نزول کی بڑی اہمیت ہے؛ اسی وجہ سے امام مہدیؒ فرماتے ہیں: جب تک آیت کا سبب نزول اور متعلقہ واقعہ معلوم نہ ہو، اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں ہے(۲)

سببِ نزول اور احکام کا عموم وخصوص

کسی شانِ نزول کے تحت قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں، وہ آیتیں اپنے عموم وخصوص کے لحاظ سے چار(۴) قسم کی ہیں۔

(۱) پہلی قسم میں وہ آیتیں داخل ہیں جن میں کسی خاص شخص کا نام لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ آیت کا مضمون اسی کے بارے میں ہے، ایسی آیتوں کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان کا مضمون صرف اُسی معیّن شخص کے لئے ہوگا کوئی دوسرا اس میں شامل نہیں ہوگا، مثلاً ''**تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ**'' ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں(۳)

اس آیت کا شانِ نزول معروف ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر کھڑے ہوکر قریش کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرمائی تو اس پر ابولہب نے کہا تھا ''**تَبًّا لَّکَ ، اَلِھٰذَا دَعَوْتَنَا**'' تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لئے بُلایا تھا؟ اس پر ''**سورة اللهب**'' نازل ہوئی اور اس میں خاص ابولہب کا نام لے کر اس کے لئے وعید بیان کی گئی ہے، اس لئے یہ وعید اُسی کے لئے خاص ہے۔

(۲) دوسری قسم ان آیتوں کی ہیں جن میں خاص شخص یا گروہ یا چیز کا نام لئے بغیر اس کے کچھ اوصاف بیان کئے گئے ہوں، اور ان اوصاف پر کوئی حکم لگایا گیا ہو، لیکن دوسرے

(۱) اسباب النزول للواحدی علیہ الرحمۃ ص ۱۳۳
(۲) اسباب النزول للواحدی علیہ الرحمۃ ص ۴
(۳) اللهب: ۱

دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد فلاں شخص یا فلاں گروہ ہے، اس صورت کے بارے میں بھی تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مضمون یا حکم صرف اسی شخص یا گروہ کے ساتھ خاص رہے گا، اور کوئی دوسرا اس میں داخل نہیں ہوگا، خواہ وہ اوصاف اس دوسرے میں بھی پائے جاتے ہوں مثلا سورۃ اللیل میں ہے ''**وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى، الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى**'' اور اُس آگ سے وہ متقی شخص بچا لیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے (مستحقین کو) دیتا ہے (۱)

یہ آیت بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مفلس غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے (۲) یہاں اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کا نام مذکور نہیں، لیکن مختلف روایات سے یہ ثابت ہے کہ مذکورہ اوصاف انہی کے ہیں، لہذا اس آیت کی فضیلت بلاشرکت غیرے انہی کو حاصل ہے، اسی لئے امام رازیؒ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ اس آیت میں انھیں ''**اَتْقٰی**'' (بڑا متقی) کہا گیا ہے۔

(۳) تیسری قسم ان آیتوں کی ہیں جو نازل تو کسی خاص واقعہ کے تحت ہوئی ہیں؛ لیکن اس کے الفاظ عام ہوتے ہیں، اور آیت کے صریح الفاظ یا اور کسی خارجی دلیل سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ آیت کا حکم اس واقعہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس طرح کے ہر واقعہ کا یہی حکم ہے، اس طرح کی آیتوں کے بارے میں تمام اہل علم متفق ہیں کہ ان آیتوں کا حکم اس کے الفاظ کے تابع ہو کر عام ہوں گے، صرف شانِ نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوں گے، مثلاً ''**قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ**'' یہ اور اس کے بعد کی چار آیتیں حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ

---

(۱) اللیل ۱۸۔۱۷

(۲) اسباب النزول للواحدی علیہ الرحمہ ص ۲۵۵

کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جن کے شوہر نے اُن سے ظہار کیا تھا؛ لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں، اسی لئے یہ حکم صرف حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ کے شوہر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ان تمام لوگوں کے لئے بھی ہے جو اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی قسم ان آیتوں کی ہیں جو کسی خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئیں، لیکن الفاظ عام استعمال کئے گئے، اور کسی آیت یا کوئی خارجی دلیل سے یہ صراحت معلوم نہیں ہوتی کہ آیت کا حکم صرف اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے یا اس طرح کے ہر واقعہ کے لئے عام ہے، اس صورت میں اہل علم کا تھوڑا سا اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس صورت میں آیت کو صرف شانِ نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص رکھا جائیگا؛ لیکن جمہور علماء و فقہاء کی رائے اس کے خلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیتوں میں الفاظ کے عموم کو دیکھتے ہوئے حکم کو عام رکھا جائے گا، شانِ نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوگا، اس کا حکم اس جیسے ہر واقعہ پر نافذ کیا جائے گا، اس قسم کی آیتوں کے لیے علماء اصول فقہ وتفسیر میں یہ جملہ مشہور ہے کہ ''**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**'' اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا، جیسے: آیت ''**وَإِن كَانَ ذُو عُسۡرَةٖ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيۡسَرَةٖ**'' اور اگر (قرضدار) تنگدست ہوتو اسے کشادگی تک مہلت دیدو(۱)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بنوعمرو بن عمیر کا کچھ قرض بنومغیرہ پر واجب تھا، جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو بنوعمرو نے اپنے مقروض قبیلے سے کہا کہ ہم سود تو چھوڑتے ہیں لیکن اصل قرضہ واپس کرو، بنومغیرہ نے کہا کہ اس وقت ہمارا ہاتھ تنگ ہے، اس لئے ہمیں کچھ مہلت دیدو، بنوعمرو نے مہلت دینے سے انکار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(۲)

جمہور فقہاء ومفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں؛ اسلئے حکم بھی عام ہوگا،

---

(۱) البقرۃ ۲۸
(۲) اسباب النزول، للواحدی، ص ۵۱

ہر قرض خواہ کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ مقروض کو تنگ دست دیکھے تو اسے مہلت دیدے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حکم تو بنوعمرو بن عمیر کے ساتھ خاص ہے، لیکن دوسرے تنگ دست مسلمانوں سے قرض وصول کرنے میں مہلت دینے کا حکم ان احادیث سے اخذ کیا جائے گا، جس میں تنگ دست مقروض کومہلت دینے کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔

اسی طرح ظہار کی آیتیں سلمہ بن صخرؓ، آیت لعان کا نزول ہلال بن امیہ کے بارے میں ہوا تھا، حد قذف کا شانِ نزول ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والوں کے حق میں ہوا، لیکن بعد میں یہ احکام دوسروں کے لئے منتقل ہوئے (۱)

ایک آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں

بعض مرتبہ ایک ہی آیت کے شانِ نزول کے تحت کئی روایتیں ملتی ہیں، جس کی وجہ سے تفسیر قرآن میں اُلجھن پیدا ہوجاتی ہے، اس کو دور کرنے کے لئے اصول تفسیر اور اصول فقہ کے علماء نے بڑے کارآمد قواعد بیان فرمائے ہیں، یہاں اُن کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو مختلف روایتیں ہوں، دونوں روایتوں میں ''**نزلت الأیۃُ فی کذا**'' (یہ آیت فلاں مسئلہ یا واقعہ کے تحت نازل ہوئی) کے الفاظ آئے ہوں؛ لیکن دونوں روایتوں میں الگ الگ واقعات ذکر کئے گئے ہوں تو درحقیقت دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا؛ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں واقعات آیت کے مفہوم اور حکم میں داخل ہوتے ہیں، جیسے آیت ''**تَتَجَافٰی جُنُوبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ**'' ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں (۲) اس کی تفسیر میں حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ مغرب اور عشاء کے درمیان نفلیں پڑھنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی، اورانہی سے ایک قول ہے کہ یہ آیت نماز عشاء کے انتظار میں جاگنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی،

---

(۱) لاتقان فی علوم القرآن مترجم ص: ۸۷

(۲) السجدہ ۱۶

بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت تہجد گزار لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اب بظاہر یہ اختلاف شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ آیت کے مختلف مصداق ہیں، اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(۲) اگر کسی آیت کے شانِ نزول میں دو روایتیں ہوں، ایک میں ''**نزلت الأية في كذا**'' کے الفاظ آئے ہوں اور دوسری میں صراحۃً کسی واقعہ کو آیت کا شانِ نزول قرار دیا گیا ہو تو اس دوسری روایت پر اعتماد کیا جائے گا اور پہلی روایت چونکہ شانِ نزول کے مفہوم میں صریح نہیں ہے اس لئے اسے راوی کے اپنے اجتہاد پر محمول کیا جائے گا، مثلاً آیت ''**نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ** '' تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس اپنی کھیتی میں آؤ جہاں سے چاہو(۱)

اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''**أنزلت في اتيان النساء في ادبارهن**'' یہ آیت عورتوں کے ساتھ پچھلے راستے میں صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے(۲) لیکن حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ اس کا شانِ نزول صراحتاً یہ بتاتے ہیں کہ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اگر مباشرت پیچھے کی جانب سے اگلے ہی حصہ میں کی جائے تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے، اس کی تردید کے لیے یہ آیت نازل ہوئی (۳) اور اس آیت میں یہ واضح کر دیا کہ مباشرت کی جگہ تو ایک ہی ہے (یعنی اگلا حصہ) جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے ،حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت چونکہ مفصل اور صریح ہے؛ اس لئے اس کو ترجیح ہوگی (۴)

---

(۱) البقرة ص: ۲۲۳
(۲) الاتقان فی علوم القرآن مترجم ص: ۹۱
(۳) الاتقان فی علوم القرآن مترجم ص: ۹۰
(۴) الاتقان فی علوم القرآن مترجم ص: ۹۰

(۳)اگر کسی آیت کی شانِ نزول میں دو روایتیں ہوں اور ان میں ایک روایت صحیح سند کے ساتھ آئی ہو اور دوسری ضعیف یا مجروح سند کے ساتھ تو صحیح روایت کو اختیار کرلیا جائے گا اور ضعیف کو ترک کردیا جائے گا، مثلاً سورہ ضحیٰ کی ابتدائی آیات ہیں ''**وَالضُّحٰی، وَاللَّیْلِ إِذَا سَجٰی، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی**'' قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے کہ اے محمد! آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ خفا ہوا ہے(۱)

اس آیت کے شان نزول میں امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت جندبؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی تکلیف کی وجہ سے ایک یا دو راتیں (تہجد کی) کی نماز نہ پڑھ سکے، اس پر ایک کافر عورت نے یہ طعنہ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے (معاذ اللہ) شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، اس پر سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ دوسری طرف طبرانیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے حفص بن میسرہ کی نانی حضرت خولہؓ سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں) ایک روایت نقل کی ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک کتے کا بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چارپائی کے نیچے مردہ پایا گیا، اس کتے کی موجودگی کی وجہ سے حضرت جبرئیلؑ چار دن تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی لے کر نہیں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ میرے گھر میں ایسی کیا بات ہوگئی کہ جبرئیل علیہ السلام آنا بند کردئے، میں نے جب گھر میں جھاڑو پونچھا کیا، تو مرا ہوا کتے کا بچہ پایا، اس موقع پر سورۃ والضحیٰ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ ان دونوں روایتوں میں قابلِ اعتماد روایت امام بخاریؒ و مسلمؒ کی ہے، یہ دوسری روایت سنداً صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس کی سند میں بعض راوی مجہول ہیں، (۲)

---

(۱) والضحیٰ ۱۔۳

(۲) الاتقان فی علوم القرآن مترجم ص: ۹۲۔۹۱

(۴) بعض مرتبہ شان نزول کی دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں، لیکن کسی ایک روایت کے حق میں کوئی وجہ ترجیح پائی جاتی ہے، مثال کے طور پر ایک کی سند دوسری کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے، یا ایک روایت کا راوی واقعہ کے وقت موجود تھا اور دوسری روایت کا راوی موجود نہ تھا، ایسی صورت میں اس روایت کو اختیار کیا جائے گا جس کے حق میں وجہ ترجیح موجود ہے، جیسے سورۃ الاسراء کی یہ آیت ہے "**يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلاً**" یہ لوگ آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپؐ کہہ دیجیے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے، اور تمہیں تو صرف علم کا تھوڑا حصہ دیا گیا ہے(۱)

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لے کر چل رہے تھے، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس سے ہوا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سے کچھ سوالات کرنے چاہئیں، چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمیں روح کے بارے میں بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اقدس اٹھایا، میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **"قل الروح من امر ربی"** "روح میرے رب کا امر ہے (۲) دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش مکہ نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ جو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھ سکیں، اس پر یہودیوں نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو۔

---

(۱) سورۃ الاسراء: ۸۵

(۲) بخاری، باب قول اللہ تعالی: وما أوتیتم من العلم إلا قلیلا، حدیث نمبر ۱۲۵

توان کے سوال پر یہ آیت ''**قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي**'' نازل ہوئی۔(۱)

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، اور سند کے اعتبار سے بھی دونوں روایتیں صحیح ہیں؛ لیکن پہلی روایت دوسری کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے اور لائق ترجیح ہے؛ کیونکہ اس کے راوی واقعہ کے وقت خود موجود تھے، اور دوسری روایت کے راوی واقعہ کے وقت حاضر نہیں تھے۔

(۵) بعض مرتبہ ایک آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد ہوتے ہیں، یعنی ایک جیسے کئی واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے ہیں، اور ان سب کے بعد آیت نازل ہوتی ہے، اس کے بعد کوئی راوی اس آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ ذکر کرتا ہے، اور دوسرا راوی کوئی دوسرا واقعہ ذکر کر دیتا ہے، تیسرا راوی کوئی تیسرا واقعہ ذکر کرتا ہے، بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت تعارض نہیں ہوتا، کیونکہ تینوں ہی واقعات سبب نزول ہوتے ہیں، مثلاً سورہ نور کی آیات لعان '' **وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ، الی آخرہ**'' کے بارے میں امام بخاریؒ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ھلال بن اُمیہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں (۲) دوسری طرف امام بخاریؒ ہی نے حضرت سہل بن سعد ؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عویمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ ملوث دیکھے اور اس شخص کو قتل کر دے تو کیا اس سے قصاص لیا جائے گا؟ ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

(۱) ترمذی، باب من سورة بني إسرائيل، حدیث نمبر ۳۱۴۰
(۲) بخاری، باب وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ، حدیث نمبر ۴۷۴۷

تمہارے بارے میں یہ مذکورہ آیات نازل ہوئی ہیں(۱) تیسری طرف مسند بزارؒ میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ اسی قسم کا سوال وجواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا اس پر یہی مذکورہ آیات نازل ہوئیں (۲) مذکورہ تینوں واقعات ان آیات کے نزول سے قبل پیش آچکے تھے، اس لئے ان میں سے ہر ایک کو شانِ نزول قرار دینا درست ہے۔

(٦) بعض اوقات اس کے برعکس ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی وجہ سے کئی آیتیں نازل ہوتی ہیں، اب ایک راوی اس واقعہ کو نقل کر کے کہتا ہے کہ فلاں آیت نازل ہوئی اور دوسرا راوی اسی واقعہ کو نقل کر کے دوسری آیت کے نازل ہونے کا حوالہ دیتا ہے، اس سے بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں کوئی تضاد نہیں ہوتا، جیسے، آیت ''**فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ** (۳) امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت اُمِ سلمہؓ کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! قرآن کریم میں ہجرت وغیرہ کے باب میں عورتوں کا ذکر نہیں ملتا، اس پر یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح امام حاکمؒ نے حضرت اُمِ سلمہؓ ہی سے نقل کیا ہے: حضرت امّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ! قرآن کریم میں مردوں ہی کا ذکر ہے، عورتوں کا کہیں تذکرہ نہیں ہے، اس پر یہ آیت ''**إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ** تا **أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا**'' نازل ہوئی اور دوسری یہ آیت ''**أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ**'' نازل ہوئی (۴)

---

(۱) بخاری، باب قول اللہ عزوجل، والذین یرمون ازواجھم، حدیث نمبر ۴۷۴۵
(۲) مسند بزار، باب زَیْدُبْنُ یُثَیْعٍ عَنْ حُذَیْفَۃ، حدیث نمبر ۲۹۴۰
(۳) آل عمران: ۱۹۵
(۴) مستدرک للحاکم، باب تفسیر سورۃ الاحزاب حدیث نمبر ۳۵۶۰

(۷) بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی آیت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوتی ہے، اور ہر مرتبہ اس کا نزول کسی نئے واقعہ کے پس منظر میں ہوا، اب کسی راوی نے ایک نزول کا واقعہ ذکر کیا، اور کسی نے دوسرے نزول کا، اس سے ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں تضاد اس لئے نہیں ہے کہ آیت دونوں واقعات میں دو مرتبہ نازل ہوئی، مثلاً امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کلمہ شہادت پڑھنے کو کہا، لیکن اس وقت ابوجہل اور عبد اللہ ابن امیہ بھی موجود تھے، انہوں نے ابو طالب کو عار دلاتے ہوئے کہا: کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھرنا چاہتے ہو؟ یہاں تک کہ ابو طالب یہ کہہ اٹھے کہ میں عبد المطلب ہی کے دین پر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے چچا کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا، جب تک کہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''**مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ**'' نبی اور مسلمانوں کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں (۱)

دوسری طرف حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے سُنا، میں نے اس سے کہا کہ تمہارے والدین تو مشرک تھے، ان کے لیے استغفار کیسے کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کے لئے استغفار کیا تھا، حالانکہ ان کے والد بھی مشرک تھے، یہ بات میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو اس پر یہی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (۲)

تیسری طرف حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قبرستان تشریف لے گئے، اور ایک قبر کے پاس بیٹھ کر دیر تک مناجات کرتے اور روتے رہے،

---

(۱) التوبۃ ۱۱۳

(۲) ترمذی شریف، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۱۰۱

پھر فرمایا یہ میری والدہ کی قبر تھی، میں نے اپنے پروردگار سے ان کے لئے دعا کرنے کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہیں ملی، اور یہی مذکورہ آیت نازل ہوئی (۱) یہاں تینوں واقعات میں ایک ہی آیت نازل ہے، چنانچہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت تین مرتبہ الگ الگ نازل ہوئی؛ اسلئے تینوں واقعات کے لئے یہ سبب نزول ہے۔

قرآن کے سات حروف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''**الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ**'' یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس اُس میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اس طریقے سے پڑھ لو (۲)

قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ بڑا معرکۃ الآراء اور طویل الذکر مسئلہ ہے، یہاں یہ پوری بحث تو نقل کرنا مشکل ہے؛ لیکن اس کے متعلق دو قول ذکر کئے جارہے ہیں جو سات حروف کے مفہوم کو سمجھنے کے زیادہ قریب ہیں۔

(۱) اس سلسلہ میں زیادہ مشہور قول امام طحاویؒ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نازل تو صرف قریش کی لغت پر ہوا تھا، لیکن چونکہ اہل عرب مختلف علاقوں اور قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اور ہر ایک کے لئے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی، اس لئے ابتداء اسلام میں یہ اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مترادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرلیا کریں، اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مترادفات متعین فرمادیئے تھے جن سے وہ تلاوت کرسکیں، یہ مترادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے، اور یہ بالکل ایسے تھے جیسے ''**تَعَالَ**'' کی جگہ ''**هَلُمَّ**'' یا ''**اَقْبِلْ**'' یا ''**اُدْنُ**'' پڑھ دیا جائے، معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، نیز یہ اجازت

---

(۱) مستدرک للحاکم، تفسیر سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۲۹۲
(۲) بخاری، باب أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف، حدیث نمبر ۴۹۹۲

صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی، جبکہ تمام اہل عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے، پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا رواج بڑھتا گیا، اور اہل عرب اس کے عادی ہوگئے، اور لغتِ قریش پر قرآن کی تلاوت آسان ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا آخری دور کیا، جسے عرصہ اخیرہ کہا جاتا ہے، اس موقع پر یہ مترادفات کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ختم کردی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا(۱) امام طحاویؒ کے علاوہ حضرت سفیان بن عیینہؒ، ابن وہبؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے، بلکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے، (۲)

(۲) قرآن کریم کے سات حروف کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ حدیث میں حروف کے اختلاف سے مراد قرأتوں کا اختلاف ہے، اور سات حروف سے مراد اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں ہیں، چنانچہ قراءتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں، لیکن ان قراءتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ سات طرح کے ہیں۔

(۱) مفرد اور جمع کا اختلاف، کہ ایک قراءت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری میں صیغہ جمع، مثلاً **وتمت کلمة ربک** اور **کلمات ربک**۔

(۲) تذکیر و تانیث کا اختلاف، کہ ایک میں لفظ مذکر استعمال ہو اور دوسری میں مؤنث جیسے **لایقبل** اور **لاتقبل**۔

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف، کہ زیر زبر وغیرہ بدل جائیں۔ مثلاً **هل من خالقٍ غَيرُ الله** اور **غَيرِ الله**۔

(۴) صرفی ہیئت کا اختلاف، جیسے **يَعرِشُون** اور **يُعرِشُون**۔

(۵) ادوات (حروفِ نحویہ) کا اختلاف مثلاً **لٰكنَّ الشَّيطينَ** اور **لٰكن الشياطينُ**۔

---

(۱) مشكل الآثار للطحاوی عليه الرحمة: ص ۱۸۶ تا ص ۱۹۱، ج ۴

(۲) الزقانی رحمه الله: شرح المؤطا، ص ۱۱، ج ۲، المكتبة التجارية الكبرىٰ، مصر ۱۳۵۵

(٦) لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں۔ جیسے **تعلمون** اور **یعلمون** اور **نُنشِزُھا** اور **نَنشُرُھا**۔

(۷) لہجوں کا اختلاف، جیسے تخفیف، تفخیم، امالہ، مد، قصر، اظہار اور ادغام وغیرہ (۱)

یہ قول متقدمین میں سے سب سے پہلے امام مالکؒ کے یہاں ملتا ہے، مشہور مفسرِ قرآن علامہ نظام الدین قمّی نیشاپوریؒ اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ احرف سبعہ کے بارے میں امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے، پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہؒ، امام ابو الفضل رازیؒ، قاضی ابوبکر بن الطیب باقلانی (۲) اور محقق ابن الجزریؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ (۳) محقق ابن الجزریؒ جو قراءت کے مشہور امام ہیں، فرماتے ہیں: میں اس حدیث کے بارے میں تیس (۳۰) سال سے زیادہ غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صحیح ہوگی (۴) یہ سب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد اختلافِ قراءت کی سات نوعیتیں ہیں۔

---

(۱) مناهل العرفان فی علوم القرآن، باب وجوه السبعة فی المذهب المختار
(۲) تفسیر القرطبی علیہ الرحمۃ: ص ۴۵ ج ۱
(۳) فتح الباری، ص ۲۵ و ۲۶، ج ۹
(۴) اتقان فی علوم القرآن: ص ۴۷ ج ۱

سوالات

(۱) قرآن مجید کی لغوی و اصطلاحی تعریف کیجئے۔

(۲) قرآن مجید کے کتنے نام ہیں مع وجہ تسمیہ تحریر کیجئے۔

(۳) نازل ہونے سے پہلے قرآن مجید کہاں پر محفوظ تھا مع مثال لکھیئے۔

(۴) قرآن مجید کا نزول کتنی مرتبہ ہوا۔

(۵) لفظِ انزال اور تنزیل کی وضاحت مع مثال کیجئے۔

(۶) سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کونسی ہے اور وہ کس طرح نازل ہوئی؟

(۷) مکی اور مدنی آیتیں کسے کہتے ہیں۔

(۸) مکی اور مدنی آیتوں کی تعیین کس طرح ہوئی۔

(۹) مکی اور مدنی آیتوں کی پہچان کی خصوصیات ذکر کیجئے۔

(۱۰) مقام اور وقت کے لحاظ سے آیتوں کی کتنی قسمیں ہیں، ہر ایک کی تعریف مع مثال تحریر کیجئے۔

(۱۱) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت نیند میں وحی نازل ہوئی۔

(۱۲) قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا۔

(۱۳) ہمارے پاس قرآن مجید کا جو نسخہ ہے کیا وہ نزولی ترتیب پر ہے۔

(۱۴) آیات محکمات اور متشابہات کی تعریف مع مثال کیجئے۔

(۱۵) آیات محکمات و متشابہات کا حکم بیان کیجئے

(۱۶) شانِ نزول کسے کہتے ہیں۔

(۱۷) کیا آیات قرآنیہ کو سمجھنے کے لئے شانِ نزول کا ہونا ضروری ہے؟

(۱۸) شانِ نزول کے اعتبار سے احکام کے عموم و خصوص کی کتنی قسمیں ہیں، ہر ایک کو اجمالاً تحریر کیجئے۔

(۱۹) ''ایک آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں'' اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں مختصر تحریر کیجئے۔

ناسخ ومنسوخ

علوم قرآن میں ناسخ ومنسوخ کی بحث بھی بڑی طویل ہے، لیکن یہاں اس کے متعلق صرف بنیادی معلومات پیش کی جارہی ہیں۔

نسخ کی لغوی واصطلاحی تعریف

نسخ کے لغوی معنی ہیں مٹانا، زائل کرنا، اور اصطلاحی تعریف ہے ''**رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی**'' کسی حکم شرعی کوکسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا۔

نسخ کی حکمت

بعض مرتبہ اللہ تعالی کسی زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نازل فرماتا ہے، پھر کسی دوسرے زمانے میں حالات کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے، اس عمل کو نسخ کہا جاتا ہے، اور جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے، اسے منسوخ اور جو نیا حکم آتا ہے اُسے ناسخ کہتے ہیں، نسخ آیات کی بہت سی مثالیں موجودہ بائبل میں بھی ملتی ہیں، مثلاً بائبل میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی شریعت میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز تھا، اور خود حضرت یعقوبؑ کی دو بیویاں لیّاہ اور راحیل آپس میں بہنیں تھیں، لیکن حضرت موسیؑ کی شریعت میں اسے ناجائز قرار دیا گیا، اسی طرح حضرت نوحؑ کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جاندار حلال تھا، لیکن حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں بہت سے جانور حرام کر دیئے گئے ، اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں طلاق کی عام اجازت تھی، لیکن حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں عورت کے زنا کار ہونے کے سوا اُسے طلاق دینے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی گئی۔

یاد رہے کہ احکام کا منسوخ کرنا اللہ کے ناقص علم کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس سے علمِ الٰہی کا کامل ہونا ثابت ہوتا ہے، جیسے ماہر حکیم بیماری کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے ایک ہی نسخہ نہیں پلاتا ہے، بلکہ مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری کے ساتھ غور

کر کے نسخہ میں اُن کے مطابق تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔

متقدمین اور متاخرین کا اختلاف

نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات میں ہلکا سا فرق ہے، متقدمین کی اصطلاح میں لفظ نسخ ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا، اوراس میں بہت سی صورتیں داخل تھیں، مثلاً: عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی نسخ کے مفہوم میں داخل ہے، چنانچہ اگرایک آیت میں عام الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور دوسری میں اُسے کسی خاص صورت سے مخصوص کر دیا گیا ہے تو علماء متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیدیتے ہیں، جس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پہلا حکم بالکل ختم ہوگیا، بلکہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آ رہا تھا دوسری آیت نے اس عموم کو ختم کر دیا ہے، مثلاً آیت ''**وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ**'' مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں (۱) اس میں مشرک عورتوں کا لفظ عام ہے، اوراس سے معلوم ہورہا ہے کہ ہر قسم کی مشرکات سے نکاح حرام ہے، لیکن دوسری آیت میں ہے ''**وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ**'' اور (تمہارے لئے حلال ہیں) اہلِ کتاب میں سے باعفّت عورتیں ہیں (۲) اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں مشرکات سے مراد وہ مشرکات ہیں جو اہلِ کتاب نہ ہوں، لہٰذا اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے عموم میں تخصیص پیدا کر دی ہے، متقدمین اس کو بھی نسخ کہتے ہیں، اور پہلی آیت کے عموم کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔

متاخرین کے نزدیک نسخ کا مفہوم وسیع نہیں ہے وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں، جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو؛ محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید کو نسخ نہیں کہتے، چنانچہ اوپر کی مثال میں متاخرین یہ کہتے ہیں کہ اس میں نسخ نہیں ہے، کیونکہ

(۱) البقرة ۲۲۱
(۲) المائدہ:۵

اصل حکم (مشرکات سے نکاح کی ممانعت) بدستور باقی ہے، صرف دوسری آیت سے واضح ہو گیا کہ پہلی آیت کا مفہوم خاص ہے، اس میں اہلِ کتاب عورتیں داخل نہیں ہیں۔

منسوخ آیتوں کی تعداد

اس اختلاف کی وجہ سے متقدین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی؛ لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد پورے قرآن میں کل انیس ۱۹ ہیں (۱)

پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان انیس آیتوں پر مفصّل تبصرہ کرکے صرف پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے (۲)

خلاصہ

مذکورہ بالا بحث سے ہمارا مقصد دراصل یہ بتانا ہے کہ قرآن کریم کی آیتوں میں نسخ کا وجود (معاذ اللہ) کوئی عیب نہیں ہے، جس سے قرآن کریم کے کامل واکمل ہونے میں فرق پڑے، بلکہ یہ حکمت الٰہی کے عین مطابق ہے، جیسے حکیم مریض اور مرض کی کیفیت کے لحاظ سے علاج کے نسخوں میں تبدیلی کرتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ بھی انسانوں کی حالت اور مزاج کے لحاظ سے احکامات تبدیل کرتا ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

تاریخ جمع قرآن

عہد نبویؐ میں حفاظت قرآن

نزول قرآن کی تاریخ اور اس کے متعلقہ مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اب تاریخ حفاظت قرآن کے موضوع پر کچھ باتیں لکھی جا رہی ہے، جس سے پتہ چلے گا کہ عہد نبویؐ اور عہد صحابہ میں قرآن کریم کی حفاظت کس طرح کی گئی؟ اور اسے کس طرح لکھا گیا؟

---

(۱) الاتقان، ص ۲۳ ج ۲
(۲) الفوز الکبیر، الفصل الثانی فی معرفۃ الناسخ والمنسوخ: ۶۰

اور یہ کوششیں کتنے مراحل سے گذری ہیں۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل ہوتی رہی ہیں، اس لئے عہد رسالتؐ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز بخشا کہ خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی، ارشاد فرمایا ''**إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**'' یقیناً ہم ہی نے ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (۱) اور قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں میں اسے محفوظ کرایا، اسی لئے ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہوجائیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ''**لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ، إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَه**'' آپ قرآن کریم کو جلدی سے یاد کرلینے کے خیال سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے، کیونکہ اس (قرآن) کو جمع کرنا اور پڑھوانا تو ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے (۲) اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ایسا قوتِ حافظہ عطا فرمایا کہ ادھر آپ ﷺ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں اور ادھر وہ آپ کو یاد ہوجاتیں، اس طرح آپ ﷺ کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم وتغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیلؑ کو قرآن سُنایا کرتے تھے، اور جس سال آپؐ کا وصال ہوا اس سال آپؐ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ دَور کیا۔ (۳)

---

(۱) الحجر ۹

(۲) القیامه: ١٦ـ١٧

(۳) صحیح بخاری مع فتح الباری، ص ٦٣ ج ۹

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو قرآن کریم کے معانی کے ساتھ الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابۂ کرام کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکّہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے؛ تاکہ وہ اسے قرآن سِکھائے، اور مسجد نبویؐ میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے (۱) اسی لئے تھوڑی ہی مدّت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہوگئی جسے قرآن کریم ازبر یاد تھا۔

عہدِ نبوی کے حفّاظ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظِ قرآن کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، ابوحلیمہؓ، حضرت معاذؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت تمیم داریؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ اور ابو زیدؓ جیسے حضرات شامل تھے (۲) پھر یہ تو ان صحابہ کرامؓ کے نام ہیں جو حافظِ قرآن کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گئے،

---

(۱) مناھل العرفان ص: ۲۳۴ ج ۱
(۲) الاتقان، ص: ۷۳۔۷۴ ج ۱

ورنہ ایسے صحابہ کرام تو بیشمار ہوں گے جنھوں نے پورا قرآن کریم یاد کیا تھا، لیکن ان کا نام روایات میں محفوظ نہیں رہ سکا، اس کی دلیل غزوہ بئر معونہ سے ملتی ہے جس میں ستر قراء صحابہؓ شہید ہوئے ہیں، اور جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو حفاظ صحابہ کرام شہید ہوئے ہیں۔(۱) یہ تو صرف ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جن کو پورا قرآن کریم یاد تھا، اور ایسے صحابہ کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے جنھوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے، غرض ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا تھا۔

عہد رسالت میں کتابت قرآن

حفاظت قرآن کا اصل مدار اگرچہ حافظہ پر تھا، لیکن اس کے ساتھ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا، کتابت کا طریقِ کار حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت گرمی لگتی تھی، جب آپؐ سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی (یا کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو آپؐ فرماتے: ''پڑھو!'' میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کچھ تبدیلی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اصلاح فرمادیتے، اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے'' (۲)

کاتبین وحی

وحی کو لکھنے کا کام صرف حضرت زید بن ثابتؓ ہی کے سپرد نہ تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہؓ کو اس مقصد کے لئے مقرر فرمایا تھا، جو حسب ضرورت کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے؛ لیکن ان میں

---

(۱) عمدۃ القاری ص: ۱۶۔۱۷ ج ۲۰
(۲) المعجم الاوسط لطبرانی، حدیث نمبر: ۱۹۱۳

سے زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں: حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ، حضرت زبیر بن عوّامؓ، حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ، حضرت ابان بن سعید بن العاصؓ، حضرت حنظلہ ابن الرّبیعؓ، حضرت معقیب بن ابی فاطمہؓ، حضرت عبداللہ بن ارقم الزہریؓ، حضرت شرحبیل بن حسنہؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، (۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپؐ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے، چنانچہ اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا تھا۔ (۲)

قرآن کریم کس چیز پر لکھا جاتا تھا

اس زمانہ میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھروں، چمڑوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتّوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے (۳) اس طرح عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار ہوگیا تھا جو آنحضرت ﷺ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا جس کی شہادت حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ سے ملتی ہے جس میں حضرت خباب بن ارتؓ ایک صحیفہ میں سے

---

(۱) زادالمعاد لابن قیم علیہ الرحمۃ ص ۳۰ ج ۱
(۲) مسند احمد باب عثمان بن عفان، حدیث نمبر ۳۹۹
(۳) عمدۃ القاری ص ۱۷ ج ۲۰

دیکھ کر حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے(۱)

اس کے علاوہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے انفرادی طور پر اپنے پاس قرآن کریم کے مکمل یا نامکمل نسخے لکھ رکھے تھے۔(۲)

عہد ابو بکرؓ اور جمع قرآن

زمانۂ رسالت میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، عموماً مکمل نسخے نہیں تھے۔ کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس سورتیں، اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے، اس بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جس طرح انجام دیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بُلوایا، میں اُن کے پاس پہنچا، تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ اے زید! عمرؓ نے ابھی آ کر مجھ سے کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصّہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا اب میری اور حضرت عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم کو جمع کیا جائے، اے زید! تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کرو۔

---

(۱)سنن دار قطنی! ص ۱۲۳ ج ۱
(۲)بحواله علوم القرآن ۱۸۰

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمعِ قرآن کے کام سے ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کررہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے آیاتِ قرآنیہ کو جمع کرنا شروع کیا جو کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے (۱)

جمع قرآن اور حضرت زیدؓ کی کوششیں

حضرت زید بن ثابتؓ نے اس کام کو پورے خلوص ومحنت کے ساتھ انجام دیا، انہوں نے احتیاط کے پیشِ نظر اس وقت تک کوئی آیت قبول نہیں کی جب تک اس پر تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائے تھے، وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے انہیں ایک جگہ جمع کیا؛ تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، اور یہ اعلان عام کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآنِ کریم کی کوئی آیت لکھی ہوئی موجود ہو وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے (۲) اور جب کوئی شخص ان کے پاس قرآنِ کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے (۱) سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے تھے (۲) پھر حضرت عمرؓ (جو اس کام میں ان کے ساتھ تھے) سے توثیق کراتے (۳) اور کسی دو قابل اعتماد گواہوں سے اس کی تصدیق کراتے (۴) اور صحابہ کے پاس چمڑوں اور پتھروں پر لکھی ہوئی آیات سے اس کی چھان بین کرتے، (۳) اس طریقہ

(۱) صحیح بخاری علیہ السلام مع فتح الباری ص ۸ تا ۱۱ ج ۱
(۲) فتح الباری ص ۱۱ ج ۹ بحوالہ ابن ابی داؤد فی کتاب المصاحف
(۳) البرھان فی علوم القرآن، ص ۲۳۸ ج ۱

سے کام کو انجام دینے کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کا نیا تیار ہونے والے نسخہ میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے، اور صرف حافظہ پر اکتفاء کرنے کے بجائے بعینہ اُن آیات سے نقل کی جائے جو آپ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں۔(۱)

بہر حال! حضرت زید بن ثابتؓ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیاتِ قرآنی کو جمع کر کے کاغذ کے صحیفوں پر مرتّب شکل میں تحریر فرمایا(۲)؛ لیکن ہر سورۃ علاحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا، حضرت ابوبکرؓ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق انہیں ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس منتقل کر دیا گیا۔

اس نسخہ کی خصوصیات یہ تھیں، پہلی: اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آپ ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھیں، لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی(۳) دوسری: اس نسخہ میں ساتوں قرأتیں جمع تھے(۴) تیسری: یہ نسخہ خطِ حیری میں لکھا گیا تھا(۵) چوتھی: اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئی تھیں جنکی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

حضرتِ عثمانؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو قرآن کریم کو سیکھتے؛ چونکہ قرآنِ کریم سات حروف (قراءتوں) پر نازل ہوا تھا، اور ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی

(۱) الاتقان فی علوم القرآن، ص ۶۰ ج ۱
(۲) اتقان فی علوم القرآن ص ۶۰ ج ۱
(۳) الاتقان، ص ۶۰ ج ۱
(۴) مناهل العرفان، ص ۲۴۶ و ۲۴۷ ج ۱
(۵) تاریخ القرآن از عبدالصمد صارم، ص ۴۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء

قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا، جس کے مطابق خود انہوں نے حضور ﷺ سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا، اور لوگ قرأتوں میں جھگڑے کرنے لگے، ہر ایک اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگا، ان جھگڑوں سے لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط سمجھنے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوسکتے تھے، اور سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخے کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سی قراءت صحیح اور کون سی غلط ہے؟ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس کارنامہ کی تفصیل تاریخی روایات کے ذریعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، چنانچہ وہ مدینہ طیبہ واپس آ کر حضرت عثمانؓ سے ملاقات کی، اور تمام حالات سے واقف کرایا، اور ان سے گذارش کی کہ وہ اس مسئلہ کو حل کریں، ادھر حضرت عثمانؓ بھی قراءتوں کے اس اختلاف کو پہلے سن رکھے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرات صحابہ سے مشورہ کیا اور اس کے بعد ابتداءً چار صحابہ کو بعد میں آٹھ اور صحابہ کو اس کام کو انجام دینے کا حکم دیا اور یہ ہدایت دی کہ امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس عہد ابوبکرؓ میں تیار کیا ہوا ایک صحیفہ موجود ہے، ان سے وہ صحیفہ منگوا کر اس کی تنقیح کریں، کام مکمل ہونے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے اس کے کئی نسخے بنوائے، اس کام کو انجام دینے والوں میں حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام، حضرت اُبیّ بن کعبؓ،

حضرت کثیر ابن افلح ؓ، حضرت مالک بن ابی عامرؓ، حضرت انس بن مالک ؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ وغیرہ شامل تھے۔(۱) ان حضرات نے کام مکمل ہونے کے بعد وہ نسخہ حضرت حفصہ ؓ کو واپس فرمادیا، پھر مروان بن حکم نے اپنے عہدِ حکومت میں حضرت حفصہ ؓ سے یہ صحیفے طلب کئے تو انھوں نے دینے سے انکار کردیا، جب حضرت حفصہ ؓ کی وفات ہوگئی تو مروان نے وہ صحیفے منگوائے اور اس خیال سے نذر آتش کردیا کہ اب اس بات پر اجماع ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے حضرت عثمان ؓ کے تیار کرائے ہوئے صحیفوں کی اتباع لازمی ہے، اور کوئی ایسا نسخہ باقی نہیں رہنا چاہئے جو ان کے رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔(۲)

قرآن کریم کی نئی ترتیب

ان حضرات نے جمعِ قرآن کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے، پہلا: حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔(۳) دوسرا: قرآنِ کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لئے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زبر، زیر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے۔(۴) تیسرا: ابتک قرآنِ کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب نسخہ کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانیؒ کہتے ہیں کہ کل سات نسخے تیار کئے

---

(۱) فتح الباری ص ۱۳ تا ۱۵ ج ۹
(۲) فتح الباری، ص ۱۲ و ۱۳ ج ۹
(۳) مستدرک حاکم علیہ الرحمہ ص ۲۲۹ ج ۲
(۴) مناھل العرفان ص ۲۵۳ و ۲۵۴ ج ۱

گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیّبہ میں محفوظ رکھا گیا۔(۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو پوری امّت نے بنظر استحسان دیکھا، اور تمام صحابہؓ نے اس کام میں اُن کی تائید اور حمایت فرمائی، چنانچہ اب امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآنِ کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقہ سے لکھنا جائز نہیں، اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقہ کے مطابق لکھے گئے، اور صحابہؓ و تابعینؒ نے مصاحفِ عثمانی کی نقول تیار کر کے قرآنِ کریم کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی۔

تسہیلِ تلاوت کے اقدامات

عہد عثمانی میں قرآن کریم کے جو نسخے تیار کئے گئے تھے وہ نقطوں اور حرکات (زیر، زبر، پیش) سے خالی تھے، اس لئے اہل عجم کو اس کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، اور جب اسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآنی آیات پر نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کر سکیں، اس مقصد کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے، جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے۔

نقطے

اہل عرب میں ابتداء حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ لکھنے والا خالی حروف لکھنے پر اکتفاء کرتا تھا، اور پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انھیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بآسانی ہوجاتا تھا، بلکہ بسا اوقات نقطے ڈالنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا، مؤرخ مدائنیؒ نے ایک ادیب کا مقولہ نقل کیا ہے کہ ''**کثرۃ النقط فی الکتاب سوء ظن بالمکتوب الیہ**'' خط میں

(۱) صحیح بخاری فتح الباری، ص۱۷ ج۹

کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ (کی فہم) سے بدگمانی کے مرادف ہے(۱)؛لیکن بعد میں عجمی اور کم پڑھے لکھے مسلمانوں کی سہولت کے لئے قرآنِ کریم پر نقطے ڈالے گئے، اس میں اختلاف ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسود دوئلیؒ نے انجام دیا(۲)

بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کام حضرت علیؓ کی تلقین پر کیا(۳)اور بعض نے کہا کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیانؒ نے ان سے یہ کام کرایا(۴) اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر یہ کام کیا(۵)ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسنِ بصریؒ، یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ کے ذریعہ انجام دیا(۶)ایک روایت کے مطابق عربی رسم الخط کے موجد قبیلہ بولان کے مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جَدَرہ ہیں، مرامر نے حروف کی صورتیں ایجاد کیں، اسلم نے فصل و وصل کے طریقے وضع کئے، اور عامر نے نقطے بنائے(۷)اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ نقطوں کے سب سے پہلے استعمال کا سہرا حضرت ابوسفیان بن حربؓ کے دادا ابوسفیان ابن امیّہ کے سر جاتا ہے، انہوں نے یہ حیرہ کے باشندوں سے سیکھے تھے، اور حیرہ کے باشندوں نے اہلِ انبار سے؛ لہٰذا نقطے ایجاد تو بہت پہلے ہو چکے تھے، بعد میں جس نے بھی قرآنِ کریم پر نقطے ڈالے وہ نقطوں کا موجد نہیں ہے، بلکہ صرف قرآنِ کریم میں ان کا استعمال سب سے پہلے اس نے کیا(۸)

---

(۱)صبح الاعشیٰ للقلقشندی، ص ۱۵۴ ج ۳ مطبع امیریہ، قاہرہ ۱۳۳۲ھ
(۲)البرھان فی علوم القرآن ص ۲۵۰ ج ۱
(۳)صبح الاعشیٰ ص ۱۵۵ ج ۳
(۴)البرھان ص ۲۵۰ و ۲۵۱ نوع ۱۴
(۵)الاتقان فی علوم القرآن: ص ۱۷۱ ج ۲
(۶)تفسیر قرطبی ص ۶۳ ج ۱
(۷)صبح الاعشیٰ ص ۱۲ ج ۳
(۸)صبح الاعشیٰ ص ۱۵۵ ج ۳

حرکات

قرآنِ کریم کی آیتوں پر حرکات (زیر زبر پیش) بھی نہیں تھیں، اور ان میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ سے کرایا(۱) اس سلسلہ میں تمام روایات کو پیشِ نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے وضع کیں، لیکن یہ حرکات اس طرح کی نہ تھیں جیسے آجکل معروف ہیں، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر (-•-) ایک نقطہ، زیر کے لئے حرف کے نیچے (-.-) ایک نقطہ اور پیش کے لئے حرف کے سامنے (•-) ایک نقطہ اور تنوین کے لئے اوپر نیچے دو نقطے (- •• -- ..-) مقرر کئے گئے (۲) اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ، نصر بن عاصمؒ اور حسن بصریؒ سے بیک وقت قرآنِ کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لئے نقطوں کے بجائے زیر، زبر اور پیش کی موجودہ صورتیں (َ ِ ُ) مقرر کی گئیں؛ تاکہ حروف کے ذاتی نقطوں سے ان کا التباس نہ ہو، (۳) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

احزاب یا منزلیں

حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے اس مقصد کے لئے انھوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی، جسے حزب یا منزل کہا جاتا ہے، اس طرح قرآن کریم کو کل سات منزلوں پر تقسیم کیا گیا تھا، حضرت اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ سے پوچھا: آپ قرآن کے کتنے منزل بنائے ہوئے ہیں؟

---

(۱) تفسیر قرطبی، ص ٦٣ ج ۱
(۲) (صبح الاعشیٰ ص ۱٦۰ ج ۳)
(۳) (بحوالہ علوم القران مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ، ص: ۱۹۵)

انہوں نے جواب دیا کہ پہلی منزل تین سورتوں کی، دوسری پانچ سورتوں کی، تیسری سات سورتوں کی، چوتھی نو سورتوں کی، پانچویں گیارہ سورتوں کی، چھٹی تیرہ سورتوں کی، اور آخری منزل مفصل میں ق سے آخر تک کی (۱)

اجزاء یا پارے

آجکل قرآن کریم تیس اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے، پاروں کی یہ تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ حفظ میں آسانی کے لئے تیس مساوی حصوں پر تقسیم کردیا گیا ہے، یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا؛ لہذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے (۲) لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی صراحت نہیں ملتی؛ اسلئے کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم

اخماس اور اعشار

قرون اولی کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا، اور وہ یہ کہ ہر پانچ آیتوں کے بعد (حاشیہ پر) لفظ خمس یا خ اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ عشر یا ع لکھدیتے تھے، پہلی قسم کی علامتوں کو اخماس اور دوسری قسم کی علامتوں کو اعشار کہا جاتا تھا (۳) علماء متقدمین میں بعض حضرات ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے تھے (۴) یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد

---

(۱) (البرھان فی علوم القرآن ص ۲۵۰ ج ۱)
(۲) تاریخ القرآن از مولانا عبدالصمد صارم ص ۸۱
(۳) مناھل العرفان ص ۴۰۳ ج ۱
(۴) الاتقان فی علوم القرآن ص ۱۵۲ ج ۱

حجاج بن یوسف تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا، لیکن دونوں اقوال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتے کہ خود صحابہؓ کے زمانے میں اعشار کا تصور ملتا ہے، مصنف ابن ابی شیبہؒ میں روایت ہے "**عن مسروق عن عبداللہ انه کره التعشير فی المصحف**" مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مصحف میں اعشار کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعشار کا تصور صحابہ کے زمانے میں پایا جاتا تھا۔

رکوع

ایک اور علامت جس کا رواج بعد میں ہوا اور آج تک جاری ہے، رکوع کی علامت ہے، اس کی تعیین معنی کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت حاشیہ پر حرف ع بنادی گئی، اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان رکوعات کی تعیین بھی حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں ہو چکی تھی (۲)؛ لیکن روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے، البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو رکوع اسی لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مشائخین نے قرآن کریم کو پانچ سو چالیس رکوعوں پر تقسیم کیا ہے، اور مصاحف میں اس کی علامتیں بنادی ہیں، (تاکہ تراویح میں) قرآن کا ختم ستائیسویں شب میں ہوسکے۔(۳)

---

(۱) البرھان ص ۲۵۱ ج ۱
(۲) تاریخ القرآن از مولانا عبدالصمد صارم، ص ۸۱
(۳) فتاویٰ عالمگیری، فصل التراویح ص ۹۴ ج ۱ مطبوعہ نولکشور

رُموز اوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارات (قف، وقف، صلے، صل، ج، ط، جیسے علامات) لکھدیئے گئے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو رموز اوقاف کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کر سکے، اور غلط جگہ سانس نہ توڑے کہ اس سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے، ان میں سے اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندیؒ نے وضع فرمائے ہیں۔(۱)

مضامین قرآن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کل پانچ علوم بیان فرمائے ہیں (۱) علم الاحکام (۲) علم الجدل (۳) علم التذکیر بآلاء اللہ (۴) علم التذکیر بایام اللہ (۵) علم التذکیر بالموت ومابعدہ۔(۲)

(۱) عِلمُ الاَحکَام

وہ علم ہے جس میں کسی فعل کے فرض، واجب، مندوب، مباح، مکروہ یا حرام ہونے کو بتلایا جاتا ہے، خواہ وہ احکام عبادت (طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، قربانی اور حج وغیرہ) کے قبیل سے ہو، یا معاملات (تجارت، قضا، شہادت، امانت، گروی رکھنے، ذبیحہ جانوروں کو کھانے، مختلف مشروبات کے استعمال، وصیت اور میراث وغیرہ) کے قبیل سے ہو، یا معاشرت (نکاح وطلاق، حدود وتعزیرات، دیانت، قصاص، جہاد، ایمان، قسمیں اور شرکت) کے قبیل سے ہو، اس مضمون کی آیتوں کو آیات احکام کہا جاتا ہے، ان آیتوں کی تشریح کرنا فقہائے کرام ذمہ داری ہے۔

(۱) النشر فی القرآت العشر لابن الجزری رحمہ اللہ ص ۲۲۵، ج ۱
(۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص: ۱۶، ۱۷

(۲)عِلۡمُ الۡجَدۡلِ

وہ علم ہے جس میں باطل اور گمراہ فرقوں (مثلا یہود و نصاریٰ اور مشرکین ومنافقین) کی گمراہیوں اور بداخلاقیوں کو رد کیا گیا ہو، اوران کا تشفی بخش جواب دیا گیا ہو، اورانہیں اسلامی عقائد (توحید، رسالت، آخرت) کی طرف دعوت دی گئی ہو، اس طرح کی آیتوں کو آیات جدل یا آیات مخاصمہ کہتے ہیں، ان آیتوں کی وضاحت کرنا متکلمین کے ذمہ داری ہے۔

(۳)عِلۡمُ التَّذۡکِیۡرِ بِاٰلَاءِ اللّٰہِ

وہ علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اورانعامات کا تذکرہ کیا گیا ہو، اوراللہ تعالی کی صفاتِ کاملہ اورزمین وآسمانوں کی پیدائش کا تذکرہ ہو؛ تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں اوراس کو پہچان کراس کی عبادت اچھی طرح کرسکیں، اس مضمون کی آیات کو آیات التذکیر بآلاءاللہ کہتے ہیں، ان آیتوں کی تفصیلات بتانا حضرات صوفیا کا کام ہے۔

(۴)عِلۡمُ التَّذۡکِیۡرِ بِاَیَّامِ اللّٰہِ

وہ علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کے واقعات بیان کیا ہے، پھر ماضی کے واقعات میں اللہ تعالی نے زیادہ تر انبیاءعلیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں، اور ان کے علاوہ بعض نیک اورنافرمان افرادواقوام کے واقعات بھی بطورعبرت وموعظت کے مختلف جگہوں پر ذکر کئے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ستائیس (۲۷) انبیاءعلیہم السلام کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، نیز مستقبل کے واقعات کوبطور پیشگوئی کے ذکرکیا گیا ہو، اس قسم کے واقعات میں قیامت سے پہلے کی نشانیاں، مثلاً قیامت سے پہلے زمین سے ایک بولتے ہوئے جانور کانمودار ہونا، یاجوج وماجوج اوردجال کاخروج، صُورِ اسرافیل، متعدد جگہوں پر موجود ہے، اس طرح کی آیات کوآیات التذکیر بایام اللہ کہتے ہیں، اس طرح کی آیتوں کی تشریح وتوضیح کرنا علمائے واعظین کا کام ہے۔

(۵) عِلْمُ التَّذْکِیرِ بِالْمَوْتِ وَمَا بَعْدَہٗ

وہ علم ہے جس میں موت اور بعد الموت مثلاً قیامت کے احوال، حشر ونشر کا منظر، دوزخ کی ہولناکیاں اور بُرے اعمال پر مرتب ہونے والے عذابات، جنت کی دل فریبیاں اور اچھے اعمال پر ملنے والے جزا، نیز حساب وکتاب، اور میزان عدل کو بیان کیا گیا ہو، اس طرح کی آیتوں کو آیات التذکیر بالموت وما بعدہ کہتے ہیں، ان کی توضیح وتشریح کرنا بھی علمائے واعظین کی ذمہ داری ہے۔

سوالات

(۱) نسخ کے لغوی اور اصطلاحی تعریف کیجئے۔
(۲) آیتوں کو منسوخ کرنے کی حکمت کیا۔
(۳) متقدمین اور متاخرین کا اختلاف تحریر کیجئے۔
(۴) منسوخ آیتوں کی تعداد مع اختلاف علماء کتنی ہیں۔
(۵) عہد نبویؐ میں قرآن مجید کی حفاظت کس طرح ہوئی۔
(۶) عہد نبویؐ کے چند حفاظ کے نام تحریر کیجئے۔
(۷) کیا عہد رسالت میں قرآن مجید لکھا جاتا تھا۔
(۸) کاتبین وحی کسے کہتے ہیں اور ان کے نام کیا ہیں۔
(۹) حضرت ابو بکرؓ نے قرآن مجید کو کس طرح جمع کروایا۔
(۱۰) قرآن مجید کو حضرت زید بن ثابتؓ نے کس انداز میں جمع کیا۔
(۱۱) حضرت عثمانؓ کے زمانے میں قرآن مجید کس طرح جمع ہوا۔
(۱۲) عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں جمع کردہ قرآن میں کیا فرق تھا۔
(۱۳) حضرت عثمانؓ اپنے دور میں قرآن مجید کے کتنے نسخے تیار کروائے۔
(۱۴) نقطے، حرکات، منزلیں، پارے، رکوع اور رموز اوقاف کو قرآن مجید میں سب سے پہلے کس نے لگایا، ہر ایک کی وضاحت کیجئے۔
(۱۵) قرآن کریم میں کتنے قسم کے علوم بیان کئے گئے، ہر ایک کی تفصیل بیان کیجئے۔